آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے ۔ لو تمہیں طورِ تسلّی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۸ — بابت ماہ مارچ سنہ ۱۹۰۹ء — نمبر ۳

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ مارچ سنہ ۱۹۰۹ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شائع ہوا۔ چندہ سالانہ عوام سے عہ طلباء سے عہ

ضروری اطلاع

تفسیر القرآن کا حجم اس سال زیادہ کردیا گیا ہے۔ یعنی بجائے ساٹھ صفحے ماہی کے قریباً نوے صفحے ماہی ہوا کرینگے اور قیمت میں اسقدر اضافہ کیا گیا ہے کہ بجائے ۱۲ر کے عہ سالانہ ہوگی چونکہ سالانہ جلسہ کے موقعہ پر اکثر احباب نے یہ شوق ظاہر کیا تھا کہ اسکے صفحوں کی تعداد بڑھائی جاوے تاکہ جلد ہی کوئی معتد بہ حصہ قرآن کریم کی تفسیر کا لوگوں تک پہنچ جاوے اسلیئے یہ تبدیلی کیگئی۔ اکثر احباب نے یہ بھی عہدہ فرمایا تھا کہ وہ نئے خریدار پیدا کرینگے۔ امید ہے کہ سب دوست توسیع اشاعت کی کوشش کرکے ان نادر مضامین کو جو اس تفسیر میں نکلتے ہیں دوسرے بھائیوں تک پہنچانیکا ذریعہ بنکر ثواب حاصل کرینگے

اوامر و نواہی:۔ ۳۰۰ سے زائد صفحوں کی کتاب ہے جس میں سید عبدالحیی صاحب عرب نے قرآن کریم کے احکام اور نہیان جمع کی ہیں۔ اصل آیات کے ساتھ اردو ترجمہ بھی ہے۔ اسکے علاوہ چھ قسم کی اربعین اس کتاب کے ساتھ بڑھائی گئی ہے۔ اصل قیمت اس کتاب کی عہ تھی۔ مگر صدر انجمن نے عرب صاحب سے بہت سی جلدیں خرید کر قیمت قریباً نصف کردی ہے یعنی ۹ر فی جلد۔ ایک نہایت مفید کتاب ہے۔ احباب اس موقعہ کو ہاتھ سے نہ دیں۔ انجمن کے پاس جسقدر جلدیں ہیں وہ فروخت ہوجانیکے بعد یہ کتاب پھر اصل قیمت پر ملسکے گی۔

یسرنا القرآن:۔ اس قاعدہ کی قبولیت اب ملک میں عام طور پر پھیل گئی ہے۔ اور اب چوتھی مرتبہ تعداد میں چھ ہزار شائع کیا گیا ہے۔ قیمت بھی کم دی گئی ہے۔ یعنی عربی حصہ کی قیمت جسے پڑھنے کے بعد بچہ قرآن شریف کو خود بخود پڑھنے لگتا ہے۔ ۱۰ر کردی گئی ہے۔ پہلے ۲ر قیمت تھی۔

البیان:۔ حضرت مولوی محمد احسن صاحب کی لطیف تصنیف ہے جس میں مس شیطان والی حدیث پر مبسوط بحث کی گئی ہے۔ قیمت ۱۰ر

عمدۃ الاحکام۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی متفقہ حدیثیں مع ترجمہ۔ قیمت ۵ر

اسلام کی پہلی کتاب:۔ مصنفہ ماسٹر عبدالرحمن صاحب قیمت صرف ۴ر فی جلد ہے۔

آئینہ صداقت:۔ مصنفہ مفتی محمد صادق صاحب ایڈیٹر بدر قیمت صرف ۲ر

مبادی الصرف:۔ مصنفہ حضرت خلیفۃ المسیح مولانا حکیم نورالدین صاحب قیمت صرف ۲ر

مجموعہ فتاوی احمدیہ:۔ مصنفہ مولوی محمد فضل خان صاحب چنگوی۔ قیمت جلد اول۔ دوم۔ سوم۔ ہے۔ ۸ر ۱ر ۱ر

الاستخلاف:۔ مصنفہ قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل آف گولیکی قیمت صرف ۳ر

ضروری گذارش:۔ جن احباب نے بقایا سابقہ اور سال ۱۹۰۹ء کا چندہ ادا نہیں فرمایا۔ براہ نوازش جلد اطلاع دیں کہ کب تک ادا کرینگے۔ بوجہ عدم جواب ۲۰- اپریل ۱۹۰۹ء کا پرچہ سب کے نام وی پی آئیگا۔ وصول کر کے مشکور فرمادیں۔ (محاسب صدر انجمن احمدیہ قادیان)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلّی علیٰ رسولہ الکریم

سکھ مذہب کا تعلّق اسلام سے

(بھائی بالا کی جنم ساکھی)

لغت اسلام مصنفہ ہیوز صاحب میں ایک لمبا مضمون سکھ مذہب کے متعلق ہے جس کا لکھنے والا ایک شخص مسٹر فریڈرک پنکوٹ ہے۔ جس نے سکھ مذہب اور اسلام کے تعلق پر ایک قابلانہ نظر ثانی کی ہے۔ اس مضمون کی بنیاد اور کتابوں کے علاوہ گرنتھ صاحب اور باوا نانک صاحب کی اس جنم ساکھی پر بھی ہے جو کہ پُرانی پنجابی میں لکھی ہوئی ہے اور جس کا ایک پرانا نسخہ اب انڈیا آفس میں لنڈن میں موجود ہے۔ اسلام کی ڈکشنری میں سکھ مذہب پر کوئی مضمون کا ہونا اس شخص کی نظر میں جسے موجودہ زمانے کے سکھوں سے کوئی واسطہ پڑا ہو یا جس نے انکے مذہب کی موجودہ ہیئت کو ہی دیکھا ہو اگر حد درجہ کی مہمل بات نہیں تو کم سے کم دونوں مذہبوں سے ایک ایسی جہالت اور ناواقفیت کا ثبوت ہے جس سے درگذر کرنا مشکل ہے۔ لیکن اگر سکھ مذہب کے بانی کی سوانح عمری کا اچھی طرح سے مطالعہ کیا جاوے تو پتہ لگ جائیگا کہ اسلام اور سکھ مذہب کے درمیان اس سے بھی بہت بڑھکر گہرا تعلق ہے جو کہ مسٹر پنکوٹ نے ثابت کیا ہے۔ اگر سکھوں کی پُرانی روایتوں اور یادگاروں کی پوری اور کامل تحقیقات کیجاوے تو ہر ایک شخص کو ماننا پڑتا ہے کہ سکھ مذہب اسلام اور ہندو مذہب کے

بین بین کوئی چیز نہ تھی بلکہ اس نے اسلامی عقائد کو اس طرح اختیار کیا۔ اور ہندو عقائد سے اسطرح بیزاری ظاہر کی کہ اگر ہم یہ کہیں کہ ابتدا میں سکھ مذہب اسلام کا ہی ایک فرقہ تھا تو یہ کہنا حق اور حقیقت سے بہت قریب ہے بہ نسبت اس کے کہ یہ کہا جاوے کہ یہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے مذہبوں سے مل جلکر بنا ہے۔ سکھ مذہب کی اصل حقیقت کو ظاہر کرنیکے لیئے اس مضمون میں میں صرف اس شہادت پر بحث کرونگا جو ایک دوسری جنم ساکھی سے جسکا نام بالا کی جنم ساکھی ہے پیدا ہوتی ہے لیکن پیشتر اسکے کہ میں اصل مضمون پر بحث کروں میں بڑی اختصار سے ان واقعات کو بیان کرونگا جنسے یہ پتہ لگتا ہے کہ یہ شہادت جو بالا کی جنم ساکھی سے ملتی ہے ایسی شہادت نہیں جسکی تائید دیگر ذرائع یا سکھ مذہب کے بانی کے دیگر حالات سے نہ ہوتی ہو۔ بلکہ دیگر تمام ذرائع کی مجموعی شہادت بالا کی جنم ساکھی کی مصدق ہے۔

سکھ مذہب کے بانی باوا نانک صاحب تھے جو پیدائشی ہندو تھے۔ لیکن ہندو مذہب کا دائرہ ایسا وسیع ہے کہ غالباً صرف عقائد کی بنا پر یہ کہنا مشکل ہے کہ اسکی حد کہاں ختم ہوتی ہے جس سے انسان کو پتہ لگ جاوے کہ اگر ایک شخص اس حد کو توڑے تو وہ اس مذہب سے خارج سمجھا جاوے۔ لیکن جو کمی عقائد اور مسائل میں رہ گئی ہے اسے رسم و رواج نے پورا کر دیا ہے قریب قریب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص جو چاہے اعتقاد رکھے یہانتک کہ مخفی طور سے اگر ان فرائض کو بھی ادا کرتا رہے جو ہندو مذہب کے سوا دیگر مذاہب میں پائے جاتے ہیں تو بھی وہ ہندو مذہب کے دائرہ سے خارج نہیں ہو سکتا۔ لیکن فرض کرو اس نے مسلمانوں سے میل جول شروع کر دیا ہے یہانتک کہ وہ اُنکے ساتھ کھانے پینے بھی لگ گیا ہے یا اگر وہ کھلے طور سے اسلامی فرائض کی پابندی کرے تو اسکو ہندو سوسائٹی میں ہرگز گھسنے نہیں دینگے۔ اب اگر کوئی چیز یقینی طور سے سکھ مذہب کے بانی حضرت باوا نانک صاحب علیہ الرحمۃ سے بذریعہ تعامل ثابت ہے تو وہ یہی ہے کہ اگرچہ آپ پیدائشی ہندو تھے مگر آپ مسلمانوں سے خلط ملط کرتے رہے اور عام طور سے اسلامی اعمال و فرائض بجالاتے رہے اور اسلامی عقائد کے پابند رہے۔ آپنے جو سفر بنارس کا کیا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ظاہر صورت میں آپ نے ہندو ہونیکا کوئی نشان بھی اپنے ساتھ نہ رکھا تھا۔ برخلاف اسکے آپ مسلمانوں کے

لباس میں رہتے اور تمام مسلمان فقیروں کے نشانات اپنی وضع قطع میں رکھتے تھے۔ آپ نے اپنی
زندگی مشائخ اور فقرار کے ساتھ گذاری اور انہی کے ساتھ کھاتے پیتے رہے۔ آپ صرف مسلمان
صوفیار کے پاس آلہی راز وحقیقت سمجھنے کے لیئے جایا کرتے تھے مگر آپکی تمام زندگی میں ایک
واقعہ بھی ثابت نہیں کہ آپ کسی پنڈت سے فیض حاصل کرنیکے لیئے گئے ہوں۔ آپ کُھلم کُھلا
چلے کھینچتے جسطرح کہ مسلمان صوفیار کا قاعدہ تھا اور جہاں جہاں آپنے چلہ کشی کی ہے وہاں
اب تک آپکی یادگاریں موجود ہیں۔ آپنے مکّہ کا حج کیا اور مسلمان ممالک میں سے ہو کر گئے۔
ان تمام سفروں میں اگر آپ کا کوئی گہرا رفیق تھا تو وہ بھی ایک مسلمان ہی تھا۔ آپنے مسلمان
فقرار کی روش اور لباس اختیار کیا اور آپکے پہلے مرید بھی ایسا ہی کرتے تھے۔ پانچویں گرو
ارجن کے زمانے تک جسقدر باوانانک صاحب کے جانشینوں کی تصاویر موجود ہیں وہ سب
اسطرح کی ہیں کہ گویا مسلمان فقیر ہیں جنکے ہاتھوں میں تسبیحیں ہیں۔ مگر گرو ارجن نے اپنے
پہلے آباؤ اجداد کی رسم و عادات کو بالائے طاق رکھدیا اور مسلمانونکا دشمن بن گیا۔ پھر یہ
ایک اور عجیب بات ہے کہ باوانانک صاحب نے ایک مسلمان گھر میں شادی کی۔ یہ آخری بات
خاص کر کے زیادہ تر توجہ کے قابل ہے۔ کوئی شریف مسلمانوں کا خاندان ایسی بات
گوارا نہیں کر سکتا تھا کہ اپنی لڑکی ایک ہندو کو دیدے اسلیئے وہ باوانانک صاحب کو کسطرح
لڑکی دے سکتے تھے جبتک کہ انکو یہ پورا یقین نہ ہو گیا ہو کہ آپ واقعی مسلمان ہیں۔ وجہ
یہ ہے کہ اسلامی شریعت میں مسلمان عورت کی غیر مسلمان مرد کے ساتھ شادی ناجائز ہے
اگرچہ مسلمان مردوں کو اختیار ہے کہ وہ غیر مسلمان عورتوں کے ساتھ شادی کرلیں۔ ایسی تو بہت
سی مثالیں موجود ہیں جن سے یہ پتہ لگتا ہے کہ کئی ایک شریف مسلمانوں نے غیر مسلم عورتوں
سے نکاح کیئے مگر ایسی مثال کوئی نہیں جس سے یہ پتہ لگے کہ ایک ثقہ بعض خاندان کی مسلمان
عورت نے غیر مسلم مرد سے نکاح کیا ہو۔ علاوہ ازیں باوانانک صاحب ایک ایسے ملک میں
رہتے تھے جو مسلمانوں کے ماتحت تھا اور جس جگہ یہ بات قانوناً کبھی برداشت نہیں کیجا سکتی
تھی کہ ایک مسلمان عورت کا نکاح ایک غیر مسلم مرد کے ساتھ شریعت کے خلاف روا رکھا جاوے۔
اگر ہم آپکی تعلیم کو دیکھیں تو صاف پتہ لگتا ہے کہ وہ ہندو رسومات اور عقائد کے

برخلاف ہیں اور بڑے زور سے ان عقائد اور رسوم کی بیخکنی کی گئی ہے۔ آپنے تفریق ذات کے برخلاف بڑے زور سے وعظ کیا اور ایسی رسومات کی سخت مذمت کی جیسی کہ زنار پہننا۔ بت پرستی اور سوتک وغیرہ کی رسوم اور عقائد ہیں۔ اگرچہ یہ باتیں بھی اس امر کے ثبوت کے لیئے کافی ہیں کہ باوا صاحب نے ہندو مذہب کو ترک کر دیا تھا کیونکہ اس زمانے میں ہندو دھرم کے یہی بڑے بڑے نشان تھے۔ تاہم سکھوں کی مقدس کتابوں میں اس سے بھی زیادہ واضح ثبوت ملتا ہے کہ باوا صاحب نے واقعی ہندو مذہب کو بالکل ترک کر دیا تھا۔ خدا کی وحدانیت کو جس طرح آپنے گرنتھ صاحب میں بیان کیا ہے وہ ہو بہو مسلمان صوفیوں کا طرز بیان ہے اور ہندو کتب میں اس کا نشان تک نہیں۔ آپنے ہندوؤں کے مذہب کے اصل اصول یعنی اوتار کے عقیدہ کو رد کر دیا اور ہندو کے اس خیال کو غلط قرار دیا کہ پرمیشر اوتار لیا کرتا ہے یا یہ کہ پرماتما شکل انسانی میں حلول کرتا ہے۔ برخلاف اسکے آپنے مسلمانوں کے اس عقیدہ کو قبول کر لیا کہ انسان ہی روحانی ترقی کے ذریعہ خدا سے وصال حاصل کرتا ہے جس طرح ہندوؤں اور مسلمانوں نے خدا کے وجود کو مانا ہے ان دونوں عقائد میں یہی ایک بڑا فرق ہے کہ ہندو خدا کا انسانی جسم میں حلول کرنا مانتے ہیں اور مسلمانوں کے نزدیک انسان خدا سے جا ملتا ہے۔ باوا نانک صاحب نے ہندوؤں کے عقیدہ کو رد کر دیا اور مسلمانوں کے عقیدے کو قبول کر لیا۔ اگرچہ آپ ہندی زبان میں وعظ فرماتے جو کہ اسوقت عام طور سے رائج تھی اور یہی ایک زبان تھی جسکے ذریعہ آپ اپنے خیالات عوام تک پہنچا سکتے تھے مگر آپکا عقیدہ خدا کی ذات کے متعلق وہی تھا جو مسلمانوں کا تھا۔ نیز آپنے اس بارہ میں مسلمان صوفیار کی اصطلاحیں تک وہی رکھیں۔ آپ خدا کو واحد۔ احد کر کے پکارا کرتے تھے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ اصطلاحیں آپنے مسلمان صوفیار سے سیکھیں جن کی صحبت میں آپ مدت دراز تک رہے۔ آپ خدا کو نور کے نام سے تعبیر فرماتے ہیں چنانچہ آپکے اقوال میں ہے کہ "خدا نور ہے جس کے نور سے تمام میں نور ہے" یہ بعینہٖ قرآنی آیت اللہ نور السمٰوات والارض کا ترجمہ ہے۔ مسٹر میکالف کا کہنا بالکل بجا اور درست ہے کہ "یہ اصطلاحات کی یگانگت جو صوفیوں اور باوا نانک کے اقوال میں پائی

جاتی ہے صرف خدا کی وحدانیت تک ہی محدود نہیں بلکہ صوفیوں کے اور اصطلاحی کلمات بھی سکھ مذہب میں پائے جاتے ہیں۔"

ہمارے پاس بہت سی مثالیں اس امر کے ثابت کرنیکے لیئے موجود ہیں کہ باوانانک صاحب نے ہندو مذہب کو ترک کر دیا تھا۔ اور یہ ہم آپکے اقوال سے اور ان روایات سے جو آپکی طرف منسوب کی گئی ہیں ثابت کر سکتے ہیں۔ مگر فی الحال ہم ایک مثال پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔ ہندوؤں کی الہامی کتابیں وید ہیں اس لیئے ایک شخص ہندو رہکر انکی مذمت اور تحقیر کرے یہ بات خیال سے باہر ہے۔ مگر باوا صاحب علی الاعلان ویدوں کی مذمت بیان کرتے تھے گرنتھ سے ثابت ہوتا ہے کہ باوانانک صاحب نے ویدوں کو ایسا علوم اور معارف سے خالی پایا کہ آپنے "چاروں وید کہانی" بتلائے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ وید سادھو یا خدا رسیدہ شخص کو پہچاننے سے بھی قاصر ہے یہ بھی فرمایا کہ بڑے سے بڑا جو معجزہ ویدوں نے دکھایا ہے وہ تناسخ کا مسئلہ ہے جس سے انکی مراد ویدوں اور مسئلہ تناسخ ہر دو کی تحقیر معلوم ہوتی ہے اصل بات یہ ہے کہ باوانانک صاحب کی تعلیم یہ تھی کہ نجات اور ابدی زندگی ویدوں کے ذریعہ حاصل نہیں ہو سکتی چنانچہ بہت سے اقوال سے یہ بات ثابت ہوتی ہے

ایک اور شہادت جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ باوانانک صاحب نے ہندو مذہب قطعاً چھوڑ دیا تھا انکا چولہ ہے جسے چولہ صاحب کہتے ہیں۔ جو ڈیرہ بابانانک ضلع گورداسپور میں آپ کا سب سے بڑا مقدس تبرک سمجھکر محفوظ رکھا گیا ہے۔ اسی پرچے کی کسی پہلی اشاعت میں چولے کی مفصل کیفیت درج ہے۔ یہ ایک لمبا پیراہن ہے جو باوا صاحب اپنی زندگی میں زیب تن کیئے رہے اور انکے بعد انکے جانشین اسکو اسقدر متبرک سمجھتے تھے کہ انہوں نے ہر طرح اسکے محفوظ کرنیکی کوشش کی۔ کچھ عرصہ تو یہ چولہ باوانانک صاحب کے جانشین جو گرو کہلاتے تھے انکے ہاتھ میں رہا۔ اور بعد میں یہی چولہ ایک سکھ کو بطور انعام کے دیا گیا کیونکہ اس نے اپنی تمام قوم کی ایک نہایت قابل قدر خدمت کی تھی۔ یہ چولہ اسقدر احتیاط سے اور اسقدر عزت و احترام سے محفوظ رکھا گیا ہے کہ آجتک باوانانک صاحب کے کسی پیرو کے دل میں یہ شبہ نہیں گذرا کہ یہ وہی چولہ نہیں

جو خود باوا صاحب اپنی زندگی میں پہنتے تھے۔ جو اقوال باوا صاحب کے اب گرنتھ صاحب میں درج ہیں وہ انکی زندگی میں جمع نہیں کیئے گئے بلکہ یہ کام پانچویں جانشین گرو ارجن کے وقت میں کیا گیا اس لیئے سکھ مذہب کی حقیقت کے متعلق انپر ایسا اعتماد نہیں ہو سکتا ہے کہ وہ بالکل صحیح ہوں کیونکہ اسوقت سکھوں نے اسلام کی مخالفت شروع کر دی تھی۔ مگر یہ نقص اور عیب چولہ صاحب میں ہرگز موجود نہیں کیونکہ یہ چولہ خود باوا صاحب نے اپنے ہاتھ سے دیا اور اسی طرح ابتک چلا آتا ہے جسطرح یہ پہلے تھا۔ اس لیئے اس کی شہادت اعلیٰ درجہ کی معتبر اور صحیح ہوگی۔ یہ شہادت خود چولہ پر لکھی ہوئی ہے مگر جیسا کہ اب تحقیقات سے ثابت ہوا ہے اسپر سوائے قرآنی آیتوں کے اور کچھ نہیں لکھا اور وہ بات بالکل غلط ہے جو سکھوں کی روایات میں درج ہے کہ چولے پر مختلف زبانوں اور مختلف مذہبی کتابوں کی آیتیں لکھی ہوئی ہیں۔ کیونکہ وہاں سوائے قرآنی آیات کے اور کچھ درج نہیں۔ اور جو قرآنی آیتیں اُسپر لکھی ہوئی ہیں وہ بڑے زور شور سے قرآن شریف کی صداقت اور مذہب اسلام کی حقانیت کو ثابت کر رہی ہیں۔ باوا نانک صاحب اس چولے کو اس غرض کیلیئے پہنتے تھے کہ آپکے مذہب کے بارہ میں کسی شخص کو کسی قسم کا شبہ نہ رہے۔ مگر تعجب کی بات ہے کہ باوا صاحب کی تعلیم کی طرح چولہ کے متعلق بھی غلط فہمی ہی غالب آگئی یعنی جسطرح باوا صاحب کی تعلیم جو شروع شروع میں بالکل اسلام ہی اسلام تھی۔ مگر بعد میں اسلام اور ہندو مت کے درمیان ایک طرح کی مصالحت سمجھی گئی اسی طرح چولے کے متعلق بھی ہوا۔ چولہ کے اس قصہ نے جو اُن دنوں عام طور سے مقبول تھا (اور یہی وجہ ہے کہ اسکو جنم ساکھیوں میں درج کیا گیا) یہ غلط فہمی پھیلائی کہ چولہ صاحب پر عربی آیتوں کے علاوہ سنسکرت کے اشلوک بھی درج ہیں۔ پھر اور مشکل یہ ہوئی کہ خود چولہ صاحب کا متبرک ہونا سچائی کی راہ میں حائل ہو گیا کیونکہ بسبب اُسکی عزت کے اسپر قیمتی غلاف چڑھنے شروع ہوئے جو کہ پوجاریوں نے ڈھیروں ڈھیر جمع کرنے شروع کر دیئے۔ یہانتک کہ اصل تحریر نظروں سے پوشیدہ ہو گئی کیونکہ وہ غلافوں کے اندر چھپ گئی اور غلط فہمی کو کام کرنیکا موقع اور ذریعہ مل گیا۔ علاوہ اس ثبوت کے جسکا پتہ چولہ صاحب سے چلتا ہے کہ باوا نانک صاحب کا کیا مذہب تھا خود چولہ صاحب کی تاریخ اس بات کو

ثابت کرتی ہے کہ باوا صاحب کے مریدوں نے انکی تعلیم کے برخلاف ایک غلط راہ اختیار کی۔ غلافوں کے اندر جو تحریر چولہ صاحب پر درج ہے اسکو کھولکر پڑھنا تو آسان ہے گرچہ غلافوں نے اس تحریر کو کتنا ہی کیوں نہ چھپایا ہو مگر باوا صاحب کی اصل تعلیم پر جو پردہ ڈالدیا گیا ہے اسکا اٹھانا بہت ہی مشکل ہے کیونکہ گرنتھ اور جنم ساکھیوں میں صحیح کے ساتھ غلط کا اسقدر خلط ملط ہو گیا ہے کہ اب اسکا جدا کرنا ناممکن ہے اور یہ کام انہیں باوا صاحب کے پیرووں کا ہے جنہوں نے چولہ صاحب کے متعلق غلط فہمی کو پھیلایا۔

باوجود اس بات کے جسکا اظہار اوپر کیا گیا ہے گرنتھ صاحب اور جنم ساکھیوں میں ایسی ایسی باتیں موجود ہیں جنسے قطعی طور سے ثابت ہوتا ہے کہ آپنے اسلامی عقائد کو قبول کیا اور مسلمان بنے۔ مگر جیسا کہ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں اس مضمون میں ہم سکھ روایتوں کے صرف ایک ذریعہ پر بحث کریں گے یعنی بھائی بالا کی جنم ساکھی پر۔ بالا باوا صاحب کا گہرا رفیق تھا اور جیسا کہ دوسری جنم ساکھیوں میں لکھا ہے آپکے سفروں میں بھی وہ ساتھ ہی رہتا تھا۔ چونکہ باوا صاحب کا اکثر حصہ زندگی ایک جگہ سے دوسری جگہ سفر کرنے میں ہی گذرا ہے اسلیئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ بانی سکھ مت سے اسے خوب واقفیت تھی۔ اور ہم بڑے وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ وہ آپکا ہمراز تھا۔ یہ وہی شخص ہے جسکی زبانی آپکے پہلے جانشین گرو انگد کو آپکی زندگی کے حالات کا پتہ لگا۔ یہ سچ ہے کہ بالا کی جنم ساکھی میں سچ کے ساتھ جھوٹ اور تاریخی واقعات کے ساتھ فرضی قصے بہت سے ملے ہوئے ہیں لیکن چونکہ بالا خود ہندو تھا اور باوا صاحب کی وفات کے بعد سکھ مت اسلام سے بُعد ہی اختیار کرتا چلا گیا اس لیئے اسلام کے حق میں جو کچھ شہادت اسکی جنم ساکھی سے مل سکتی ہے اسکو ہمیں قطعی اور ناقابل جرح شہادت تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ اس شہادت کو فریق مخالف کی گواہی سمجھنا چاہیئے اس لیئے وہ بات جو دشمن بھی مانے اسکا انکار کوئی عقلمند نہیں کر سکتا ذیل میں وہ شہادت ہے جو بالا کی جنم ساکھی سے ہمیں ملتی ہے۔

﴿ صفحات کے متعلق دیکھو جنم ساکھی بھائی بالا تیسری دفعہ گیکسٹن پریس انارکلی لاہور۔

صفحہ ۴۳ پر لکھا ہے کہ باوا نانک کو الہام ہوا "کہ تیس پارے قرآن شریف کے ہیں اور چار کوٹ ورتائیے اور ایک ہی نام کی مہاکرو اور دوسرا میرا کوئی شریک نہیں سو تو جگت میں جاکر اسدا ڈھنڈورا پھیر" خدا تعالیٰ کے اس حکم کے جواب میں کہتے ہیں کہ باوا صاحب نے بارگاہ الٰہی میں یہ التجا کی "کہ بولی ہو رہے اس بولی کو لوں ہندو ڈردے ہیں سمجھدے نہیں" کہ پھر خدا تعالیٰ نے باوا صاحب کو الہام کیا "کہ وڈیائی تسانوں تسیخ دی ملی ہے دیول دیوتے اور پراچین پتر تھ جو ہندواں دے ہین اوہناں نوں منسوخ کرو"

یہ باتیں ظاہر کرتی ہیں کہ آپ مورد الہام ربانی تھے اور یہ بات ہندوؤں کے مسئلہ الہام کے بالکل مخالف ہے جو کہتے ہیں کہ خدا دنیا کے آغاز میں ایک ہی دفعہ بولا اور یہ کلام بھی چار رشیوں تک محدود رہی جنھوں نے وید بنائے اور اسکے بعد خدا کسی کے ساتھ نہیں بولا۔ مسلمانوں کے عقیدہ کے رو سے خدا تعالیٰ اپنے برگزیدوں کے ساتھ ہر زمانے میں کلام کرتا ہے اگرچہ ساتھ ہی انکا یہ اعتقاد ہے کہ قرآن شریف کے بعد کوئی نئی شریعت نازل نہیں ہوگی اور اس بات کو باوا نانک صاحب بھی تسلیم کرتے تھے مذکورہ بالا اقوال سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ کیوں آپ نے ہندی میں پند و نصیحت کی اور اپنے وعظوں میں سنسکرت کے الفاظ یا سنسکرت سے نکلے ہوئے الفاظ استعمال کرتے تھے۔ ہندو عربی زبان نہیں سمجھتے تھے بلکہ وہ اس سے ڈرتے تھے کیونکہ جو کچھ اس زبان میں کہا جاتا تھا وہ بالکل نہیں سمجھتے تھے۔ اسلیئے باوا صاحب نے بھی انہی لوگوں کی زبان وعظ کرنیکے لیئے اختیار کی۔ پس جب آپ ایسے ایسے الفاظ جیسے کہ ہری ہر۔ پرمیشر وغیرہ خدا تعالیٰ کیلیئے استعمال کرتے تھے تو اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ آپ نے ہنود کا عقیدہ خدا کے متعلق مان لیا تھا یا یہ کہ آپ ہندو اور مسلمانوں کے بین بین کوئی مذہب دونوں مذہبوں کی کاٹ چھانٹ کرکے بنانا چاہتے تھے۔ بالا کی جنم ساکھی سے جو اقوال ہم پیچھے لکھ آئے ہیں انکے رو سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ان ناموں کو اسلیئے استعمال کرتے تھے تاکہ سننے والیکے دلوں تک آپ اپنی باتوں کو ایک موثر پیرایہ میں پہنچا سکیں۔

بالا کی جنم ساکھی میں کلمہ طیبہ پر بڑا زور دیا گیا ہے۔ مسلمانوں کا اقرار توحید و ایمان اس کلمہ طیبہ میں ہے کہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ یعنی کوئی معبود نہیں مگر اللہ اور محمدؐ اسکا رسول ہے" اسکا نام کلمہ ہے اور اس میں ایمان کے دونوں بنیادی اصول شامل ہیں۔ کلمہ کے پہلے حصّہ میں توحید کا اقرار ہے جو اسلام کو تمام مذاہب سے متمیز کرتا ہے اور دوسرے حصّہ میں خدا کے مقدس رسول محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار ہے یہی دو اقرار ہیں جن سے ایک شخص اسلام میں داخل ہو جاتا ہے بالا کی جنم ساکھی میں اسی کلمہ کی خوبیاں مختلف جگہوں میں بیان کی گئی ہیں ذیل میں چند اشلوک لکھے جاتے ہیں "کلمہ اک پکار یاد وجانا ہیں کوئی" "کلمہ گو نہ سٹرہن ہوکے بے ایمان" "کلمہ پاک رسول پڑھ جھاڑے دے گناہ" "کلمہ پڑھیاں عذاب دین دنیا داجائے" "کلمہ جس نے آکھیا پتاں کیوں ملے سزائے" "کلمہ آکھیاں ایہ گن ہوئے گناؤ توں پاک" "نانک آکھے رکن دین کلمہ سچ پچھان۔ اکو روح ایمان دی جو ثابت رکھے ایمان" "کلمہ اک یاد کراور نا بھابات۔ نفس ہوائی رکن دین تس سے ہووین مات"

بالا کی جنم ساکھی سے معلوم ہوتا ہے کہ بانی سکھ مذہب کو نبی کریم صلعم کی رسالت کا اقرار تھا۔ صفحہ ۱۷۲ پر ذیل کا شلوک درج ہے "ہندو کسن ناپاک ہے دوزخ جاون سوئی۔ کہدو اللہ اور رسول کو اوڑ بوجھو کوئی"۔ پھر اسی کتاب کے صفحہ ۱۳۴ میں ہم پڑھتے ہیں "اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفےٰ کو دنیا کے اودہار کے لیے بھیجا" پھر صفحہ ۱۳۹ پر لکھا ہے "وہ پیغمبر ہویا اس دنیا کے مابین۔ نام محمد مصطفےٰ رب ڈاہڈا بے پرواہ ہے"۔ صفحہ ۱۴۱ پر لکھا ہے "پاک پڑھیو کلمہ رب دا محمدؐ نال ملائے۔ ہوا معشوق خدائے دا ہوا قُل الٰہی"۔ پھر اسی صفحہ پہ یہ لکھا ہے "ڈٹھا نور محمدی ڈٹھا نبی رسول۔ نانک قدرت دیکھکر خودی گئی سب بھول"۔ حضرت باوا صاحب نہ صرف نبی کریمؐ کی رسالت ہی کے قائل تھے بلکہ وہ آپکو شفیع بھی مانتے تھے کیونکہ جنم ساکھی صفحہ ۱۹۵ پر لکھا ہے "حجت راہ شیطان دی جنہاں کی قبول۔ سو درگہ ڈھوئی نہ ملے شفاعتؐ بھرے رسول"۔ آپکے نزدیک ہر ایک فرد بشر کیلئے ضروری ہے کہ نبی کریمؐ کو مانے کیونکہ جنم ساکھی صفحہ ۱۹۶ میں آپ فرماتے ہیں۔ "ہے پیغمبر مصطفےٰ تس دے چار یار۔ عمر خطاب۔ ابوبکر۔ عثمان علی دی چار"

"چاروں یار مسلمی چار مصلے کین۔ پنجواں نبی رسول ہے جن کیتا ثابت دین"

"اینہاں پیچھے امام چار اعظم شافعی جان۔ مالک احمد آکھدے ثابت چار امام"

"چاروں یار مسلمی کدی نا آوے جا۔ جو اینہاں فرمایا اوہ چائے راہ"

پھر آپ اسی کتاب کے صفحہ ۲۰۴ پر فرماتے ہیں "پڑھیا خطبہ نبی دا ہویا سگل انند"

پھر صفحہ ۲۰۵ میں لکھا ہے "اک کرن دے کارے آیا نبی رسول۔ لالچ دے وچ لگ کے دنیا گئی ہے بھول"۔

قرآن شریف کی نسبت باوا صاحب کا ایسا ہی اعتقاد ہے جیسا ایک مومن مسلمان کا ہوسکتا ہے۔ اور آپکے تمام اقوال میں کلام مجید کی شان کے خلاف کوئی کلمہ درج نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ قرآن شریف کی نسبت جو آپنے ادب اور عزت ملحوظ رکھی ہے وہ اور کسی کتاب کی نسبت نہیں پائی جاتی۔ اور جو الفاظ آپنے ویدوں کی نسبت فرمائے ہیں ان میں اور قرآن شریف کے متعلق الفاظ میں ایک نمایاں فرق ہے اور اگرچہ آپکے ہندو میلان طبع کے پیرووں نے وید کے متعلق جو سخت الفاظ آپکے تھے انکو بہت کچھ نرم کرنیکی کوشش کی ہوگی مگر تاہم جیسا کہ ہم اوپر دکھا چکے ہیں ویدوں کو آپنے کوئی عزت نہیں دی۔ دنیا کی تمام الہامی کتابوں میں سے آپ صرف قرآن کریم کی عظمت اور قرآن شریف کے بابرکت اور ہدایت ہونیکے قائل تھے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔ "توریت انجیل۔ زبور ترے پڑھ سن ڈٹھے وید۔ رہیا قرآن شریف کل جگ میں پردار" یعنی کہ توریت انجیل زبور اور وید پڑھ سنکر دیکھ لیئے ہیں تمام جہان میں نجات کا ذریعہ صرف قرآن شریف ہی ہے۔ پھر صفحہ ۱۳۹ پر فرماتے ہیں "ڈٹھی ہیں چار کتاب اکس باجھ نہ کوئی۔ وحدہٗ لاشریک ہے دوجا ہوانا ہوئی" یعنی چار کتابوں کا مشاہدہ کیا مگر قرآن شریف کے بغیر دوسری کوئی کتاب نہیں وہ وحدہٗ لاشریک ہے دوسرا اسکا کوئی ثانی نہیں۔

کہتے ہیں کہ آپ ہر طرح کی ظاہری رسم رسوم سے متنفر تھے۔ اور سچ بھی یہی ہے کہ آپنے ہندوؤں کی تمام رسومات سے سخت بیزاری ظاہر کی ہے مثلاً زنار کا باندھنا۔ بچہ جننے کے بعد جو پاک ہونے کے لیئے رسومات ادا کیجاتی ہیں اور گنگا وغیرہ کا اشنان کرنا وغیرہ مگر آپکے

حالات زندگی پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صرف ان رسومات کے مخالف تھے جو
محض عبث اور بے جان تھیں۔ حالانکہ آپکے نزدیک بہت سی باتیں بہت ہی مفید تھیں۔
مثلاً آپ کا چلہ کشی کرنا چنانچہ پنجاب میں ایک جگہ ہے جس کا نام سرسہ ہے جہاں آپنے
چلہ کشی کی تھی۔ وہ مقام ابتک چلہ باوا نانک کرکے مشہور ہے اور ساتھ ہی اسکے شیخ فرید
علیہ الرحمۃ کا چلہ ہے۔ یہ وہ بزرگ ہیں جنکی صحبت اور خدمت میں باوا صاحبنے بارہ سال گذارے۔
اور جنکے آپ گہرے دوست تھے۔ اسطرح آپنے حاجیوں کا لباس پہنکر عصا۔ قرآن شریف۔ مصلے اور
کوزہ ساتھ لیکر مکہ کا حج کیا۔ یورپین نقاد اور مورخین آپکے حج کعبہ کو ایک فرضی قصہ سمجھتے ہیں
مگر اس حج سے انکار کرنا ایسا ہے جیسا کہ کوئی کہدے کہ نانک دنیا میں کوئی شخص ہوا ہی نہیں۔
اس میں کوئی شک نہیں کہ آپکے حج کے واقعہ کے ساتھ بہت سی جھوٹی باتیں بھی ملائی گئی ہیں۔
مگر کہانیوں کی خاطر ایک انصاف پسند مورخ کے شایان حال نہیں ہے کہ بالکل واقعہ ہی سے
انکار کردے۔ یہ آپکی زندگی کا ایک ایسا واقعہ ہے کہ آپکی زندگی کی تمام تاریخوں کا اسپر اتفاق ہے
اور کوئی وجہ نہیں کہ اسکی سچائی کا انکار کیا جاوے۔ شاید اس واقعہ کے انکار کی وجہ یورپین
مورخین کے نزدیک، صرف یہی ہے کہ اس سے آپ اسلام کے بالکل نزدیک ہوجاتے ہیں
یعنی اس سے آپ کا مسلمان ہونا ثابت ہوتا ہے مگر میں پہلے بیان کر آیا ہوں کہ آپ کی زندگی
کے بہت سے ایسے واقعات موجود ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ پکے مسلمان تھے۔ جو
شخص چلہ کشی کرتا ہے اور ایک ایسا پیراہن پہنے پھرتا ہے جسپر یہ لکھا ہو ان الدین
عند اللہ الاسلام یعنی خدا کی نظر میں اگر کوئی دین ہے تو وہ صرف اسلام ہے۔ تو ایسے
شخص کا حج کیلئے جانا اور مکہ میں جاکر حج کرنا کوئی عجیب امر نہیں۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ
آپ صرف مکہ دیکھنے کیلئے گئے تھے حج کی خاطر نہیں گئے وہ نہیں سمجھتے کہ اس زمانے میں ایسی
بات ناممکن تھی اور دوسری بات یہ ہے کہ آپ اپنے عقائد پر خلوص دل سے ایمان رکھتے تھے اور
مداہنت سے بہت دور رہتے۔ یعنی یہ آپکی فطرت کے خلاف تھا کہ ظاہر کچھ ہو اور باطن کچھ اور۔ مگر تعجب آمیز
امر تو یہ ہے کہ یہ عام طور سے مانا ہوا ہے کہ جب آپ حج کے لیئے تشریف لے گئے تو لباس حاجیوں
والا پہنکر گئے۔ عصا ہاتھ میں لیا۔ نماز پڑھنے کیلیئے مصلے اور نماز کیلیئے وضو کرنیکے لیئے ایک لوٹا

ہمراہ لیا۔ اور ایک قرآن شریف بھی۔ اس سے ہم نتیجہ نکالتے ہیں کہ آپ سچے حاجی بنکر مکہ معظمہ تشریف لے گئے۔ یہ سب کچھ بالا کی جنم ساکھی اور دوسری تمام جنم ساکھیوں میں مذکور ہے مگر بالا کی جنم ساکھی سے اتنا اور پتہ لگتا ہے کہ آپ کو خدائے تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا تھا کہ مکہ معظمہ کا حج کریں۔ چنانچہ صفحہ ۱۳۶ میں لکھا ہے "اے نانک مکہ مدینہ جا کر حج کر" اسی کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ مکہ میں آپ قاضی رکن الدین سے ملے جو وہاں کا امام تھا اور اس سے آپنے بڑی بڑی لمبی گفتگوئیں کیں چنانچہ ان گفتگوؤں کے اثنا میں آپنے قرآن شریف اور سنّت نبوی کی تصدیق کی۔ آپنے دوزخ اور شریروں کی سزا اور نیکوں کی نجات اور حشر اجساد کا اقرار کیا اور بھنگ اور شراب پینے کو بہت برا بتلایا اور نبی کریم کی شفاعت کا اقرار کیا۔✤ اسطرح سے آپنے کل اسلامی عقائد کا اقرار کیا۔ یہ واقعات نہ صرف بالا کی جنم ساکھی میں مذکور ہیں بلکہ اس جنم ساکھی کے پرانے نسخہ میں بھی موجود ہیں جو انڈیا آفس لنڈن میں موجود ہے جس کی نسبت خیال ہے کہ وہ اسی زمانے کا لکھا ہوا ہے جس زمانے میں یہ واقعات ہوئے۔ اسطرح سے یہ نسخہ بھی بالا کی جنم ساکھی کی شہادت کی تصدیق کرتا ہے۔

حضرت باوا نانک صاحب نہ صرف اعتقادی طور سے مسلمان تھے بلکہ آپ اللہ تعالیٰ کی عبادت عملی پر بڑا زور دیتے تھے اور اسی طرح مانتے تھے جسطرح پر شریعت محمدی نے اسکو ضروری قرار دیا تھا۔ آپ اپنی تعلیم میں اسپر بڑا زور دیتے تھے۔ صفحہ ۹۳ا پر لکھا ہے۔

"نانک آکھے رکن دین سچے سنو جواب - صاحب دا فرمایا لکھیا وچ کتاب"

"دنیا دوزخ اوہ چڑھے جو کرے نہ کلمہ پاک - مکروہ تریہے رو جڑے پنج نماز طلاق"

"لقمہ کھائے حرام دا سر تے چڑھے عذاب - آتش دوزخ ہاویہ پایا تنہاں نصیب"

پھر اسی جنم ساکھی کے صفحہ ۱۴۷ پر لکھا ہے "تاسو کرم تریپنے روزہ نا نماز۔ عملاں باہجوں مومنوں دوزخ دی عذاب" یعنی جو روزہ اور نماز کے تارک ہیں بغیر اعمال صالحہ کے

✤ پھر نیلا جبہ پہن کر بیٹھے آن۔ اکو اک خدائے ہے آکھے موہنوں کلام۔ نیلا باناں پہن کر دھریا مصلےٰ ہیں عصا کوزہ پاس کھ پوری کی حدیث۔ عملاں اوتے نبڑسے درگہ پوے قبول جہت حاجت ناکسی پر۔ آکھو نبی رسول جہت راہ شیطان دی جنہاں کی قبول۔ سو درگہ ڈھوئی نہ ملے شفاعت نہ بھرے رسول۔

بُرے لوگوں کو دوزخ کے عذاب میں ڈالا جاویگا۔ پھر صفحہ ۲۲۱ میں لکھا ہے ۔
"راحت ایمان کی اوہو دیکھے جائے ۔ پنجو درجوہ رکن دین سائیں سوچت لائے"
یعنی ایمان کی راحت وہی محسوس کرتا ہے جو پانچوں نمازوں کا پابند ہو۔ جو تارک نماز ہیں انکو آپ برملا ملامت کرتے ہیں۔ چنانچہ صفحہ ۲۲۲ پر آپ کہتے ہیں۔ "لعنت بر سر تنہاں جو ترک نماز کریں تھوڑا بہتا کھٹیا ہتھوں ہتھ گویں"۔ یعنی جو نماز ترک کرتے ہیں جو کچھ تھوڑا بہت کمایا ہے اسکو بھی دست بدست ضائع کر رہے ہیں۔ آپنے کبھی گوشت خوری کو بُرا نہیں بتلایا جسطرح کہ ہندو گوشت خوری کی مذمت کرتے ہیں۔ مگر سچے مسلمان کی طرح آپنے بھنگ اور شراب اور دوسری منشی چیزوں کی سخت مذمت کی۔ چنانچہ صفحہ ۲۲۲ پر آپ فرماتے ہیں۔
"نانک آکھے رکن دین لکھیا وچ کتاب ۔ درگاہ اندر ماریں جو پیندو بھنگ شراب"
اور اس جنم ساکھی میں لکھا ہے کہ تمام اسلامی ہدایات پر آپ بذاتِ خود عمل کرتے رہے۔ صفحہ ۱۹۸ پر لکھا ہے کہ "باجی اک برس تک وچ روزے رکھدے رہے" صفحہ ۲۰۳ میں لکھا ہے کہ باوا صاحب نے اپنے کانوں میں انگلی دیکر جسطرح کہ مؤذن اذان دیا کرتا ہے اذان دی چنانچہ لکھا ہے "کن وچ انگلیاں پاکے بابے نے بانگ دتی" اور صفحہ ۲۰۴ پر لکھا ہے "پڑھیا خطبہ نبی دا ہویا سگل انند" یعنی جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ پڑھا اور دل کو تسلی ہوئی۔

مذکورہ بالا چند اقتباس اس امر کے ثابت کرنیکے لیئے کافی ہیں کہ باوا صاحب نے نہ صرف اسلام کی سچائی اور نبی کریمؐ کی رسالت کا ہی اقرار کیا بلکہ آپنے شریعت محمدی پر خود عمل کرکے دکھایا اور دوسروں کو اس کام کے کرنیکی ترغیب و تحریص دلائی بلکہ حکم دیا۔ اب طبعاً سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک مذہب جسے ایک طرح اسلام کی ایک شاخ سمجھنا چاہیئے کسطرح وہ ہندو مذہب سے مل جل گیا۔ جس شخص کو سکھ مذہب کی تاریخ سے پوری واقفیت ہے وہ جانتا ہے کہ یہ بات بالکل سچ ہے اور اس میں شک کی گنجائش نہیں کہ سکھ مذہب کی زندگی میں ایسے ایسے اثر کام کر رہے تھے جنہوں نے اسکی روش اور طرز خیال کو بالکل بدل دیا۔ لیکن وہ اسباب جن کی وجہ سے یہ اثر پیدا ہوئے وہ پولٹیکل تھے مذہبی نہ تھے۔ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد سکھوں نے

فقیری کا جامہ چھوڑ کر سپاہیانہ لباس پہن لیا اسلیئے انکے اور مسلمان افسروں کے درمیان نزاعیں پیدا ہو گئیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اگر کوئی چھوٹے چھوٹے اختلاف پہلے کبھی موجود بھی تھے تو اب وہ رائی کا پہاڑ بن گئے۔ پانچویں گرو ارجن کے وقت سے جتنے گرو بعد میں ہوئے انکے زمانے میں پہلے پہل انکی دشمنی مسلمان حکام کے برخلاف آہستہ آہستہ بڑھنے لگی اور انجام کار عام طور سے مسلمانوں کے ساتھ دشمنی سے مبدل ہو گئی اسطرح جوں جوں زمانہ گذرتا گیا سکھ اسلام سے جدا ہوتے گئے۔ قریباً ایک صدی کے چوتھے حصہ کے اندر اندر سکھ قوم ان تمام ہندوؤں کا ملجا و ماوا بن گئی جن کو کسی طرح مسلمانوں سے شکر رنجی پیدا ہو گئی۔ اس سے ہر عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ ایسے حالات کے ماتحت یہ قوم مسلمانوں کی حیثیت سے کسطرح رہ سکتی تھی۔

مگر یہاں یہ سوال ہو سکتا ہے کہ اسقدر تغیر عظیم جو سکھ مذہب کے اندر واقعہ ہوا اس کیلئے صرف پولیٹیکل سبب ہی عقدہ کشا نہیں یعنی اگر واقعی سکھ مذہب اسلام کی ایک شاخ ہے تو اسکے لیئے صرف پولیٹیکل سبب بتلانا کافی نہیں۔ اور اگر بانی سکھ مذہب واقعی پورا مسلمان تھا تو یہ پتہ بتانا چاہیئے کہ کسطرح اور کب یہ اختلاف واقع ہوا۔ اگرچہ اس میں شک نہیں کہ پولیٹیکل وجوہات نے اس اختلاف کو بڑھا ضرور دیا۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ بیان کرنا کہ کسطرح ایک پکے مسلمان کے پیرو ایسے رستے پر ہو لیئے جو اسلام کے بالکل مخالف ہے بہت ہی مشکل امر ہے مگر کسی قوم کے مذہبی خیالات بدلنے کے اسباب عموماً ایسے دقیق اور مختلف ہوتے ہیں کہ اسکی پوری وضاحت کرنی اور قابل تشفی طور سے بیان کرنا اکثر ناممکن ہوتا ہے۔ جو جو تغیر مذہب عیسوی میں واقع ہوئے ہیں ان میں بھی اگر اس سے زیادہ نہیں تو اسی قسم کی مشکل واقع ہوتی ہے۔ شروع شروع میں یہودی مذہب کی یہ ایک شاخ تھا مگر بعد میں یہ ایک ایسا سلسلہ بن گیا جو یہودی مذہب کے بالکل خلاف واقع ہو گیا حالانکہ وہاں کوئی پولیٹیکل اغراض بھی نظر نہیں آتیں۔ مگر یہ بات ظاہر ہے کہ پولیٹیکل اغراض نے سکھ مذہب اور اسلام کے درمیان ایک بڑا اختلاف ڈالدیا۔ جس صفائی اور زور سے باوا نانک صاحب نے فرمایا تھا کہ نجات حاصل کرنیکے لیئے شریعت اسلام کی

پیروی کرنی ضروری ہے اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ حضرت موسیٰؑ کی شریعت
کو ہرگز نہ بدلا جاوے۔ مگر ایک نسل ہی گذرنے پائی تھی کہ ان احکام کی بالکل پروا نہ کیگئی گو وہ
بدستور کتابوں میں درج ہے۔

سکھ مذہب کے اوائل ایام میں چند باتیں ایسی واقعہ ہوئی ہیں جنسے یہ نتیجہ نکال
لیا گیا ہے کہ جس مذہب کی بنیاد باوا صاحب نے ڈالی تھی وہ اسلام سے بالکل مختلف تھا
اور وہ یہ ہیں کہ اوائل ایام میں نہ صرف ہندو ہی باوا نانک صاحب کے پیروؤں میں
داخل ہوتے تھے بلکہ مسلمان بھی داخل ہوتے تھے۔ مگر اس بات سے باوا نانک صاحب کے
مسلمان نہ ہونیکا نتیجہ نکالنا غلطی ہے خصوصاً جب ہم ان صریح واقعات کو دیکھتے
ہیں جنسے باوا نانک صاحب کا مسلمان ہونا ثابت ہوتا ہے یہ بات خوب یاد رکھنی
چاہیئے کہ باوا صاحب نہ صرف نو مسلم ہی تھے بلکہ جیسا کہ بالا کی جنم ساکھی سے معلوم ہوتا
ہے آپکو لوگ شیخ کے نام سے پکارتے تھے اور یہ امر آپ خود بھی محسوس کرتے تھے
کہ دوسرے مسلمان صوفیوں کی طرح آپ دوسرے لوگوں کے روحانی رہنما بنیں اور انکو اپنے
مریدین میں لیں کیونکہ یہ بات مسلمان صوفیاء میں عام طور سے رائج تھی۔ پس نانک کے
مریدین میں مسلمانوں کا ہونا سکھ مذہب کو اسلام سے جدا کرنیکی بجائے کامل طور سے
یہ بتلاتا ہے کہ جسطرح ہندوستان میں اسوقت اور صوفیاء کے خاندانوں کے سلسلے
موجود تھے اسی طرح آپ کا سلسلہ بھی تھا اور مسلمان باوا صاحب کے سلسلہ کو اس وقت
اسلام کا ایک سلسلہ سمجھتے تھے یہ کسی جگہ سے بھی ثابت نہیں ہوتا کہ جو مسلمان آپکے
سلسلہ مریدی میں شامل ہوئے انہوں نے مسلمانی عقائد کو ترک کر دیا یا انپر عمل کرنا چھوڑ
دیا۔ اور وہ کسطرح سکتے تھے جبکہ وہ دیکھتے تھے کہ انکا شیخ خود چلہ کشی کرتا ہے نمازیں
پڑھتا ہے۔ نماز کیلئے مصلےٰ اور کوزہ ساتھ ہے اور قرآن شریف بغل میں ہے۔ یہ
ایسی باتیں ہیں جنکا کرنا معمولی مسلمان کا کام نہیں۔ بلکہ ایک بڑے زاہد و عابد مومن
مسلمان کا کام ہے اصل حقیقت یوں ہے کہ اگر ان مسلمانوں کو جو آپکی سلسلہ مریدی
میں شامل ہو رہے تھے۔ یہ پتہ کسی طرح سے بھی لگ جاتا کہ آپ کی تعلیم اسلام سے

ذرا بھی مخالف ہے تو وہ لوگ کبھی آپ کے مرید نہ بنتے۔ جبتک یہ بات نہ ثابت کیجاوے کہ جو مسلمان آپ کے سلسلہ میں داخل ہوئے انہوں نے اسلام کو ترک کر دیا تھا یا اسلامی احکام پر عمل کرنا چھوڑ دیا تھا تبتک مسلمانوں کا آپ کے مریدین کی جماعت میں موجود ہونا اس بات کا ثبوت نہیں کہ سکھ مذہب کوئی مذہب اور اسلام کے بین بین کوئی مذہب تھا بلکہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ باوا نانک سچے مسلمان تھے۔

بعض ایسی باتیں ہمارے پاس موجود ہیں جنکی بنا پر ہم اس دور دراز زمانے میں بھی کہہ سکتے ہیں کہ باوا صاحب کے مذہب کو اُسوقت کے مسلمان اسلام سے جدا نہیں سمجھتے تھے۔ پنجاب کے فرمانروا ان دنوں میں مسلمان تھے اور اسوقت کی اسلامی حکومتوں میں اسلام سے مرتد ہونا ایک ایسا گناہ تھا جسکی سزا موت تھی۔ مسلمان حکام دوسرے مذاہب کے لوگوں کو اپنے ماتحت امن و امان سے رہنے کی اجازت دے سکتے تھے اور دیتے تھے اور ان حکام کا یہ فرض تھا کہ جو آزادیاں مسلمان رعایا کو میسر ہوں وہی آزادیاں غیر مذاہب کے لوگوں کو جو اُنکی رعایا میں شامل ہوں دیں۔ مگر جو شخص مسلمان رہ کر مرتد ہو جائے اسکو فوراً قتل کر دیا جاتا تھا اور روئے زمین پر پھر کوئی اسکو بچا نہیں سکتا تھا۔ جبتک کہ وہ مسلمانوں کے زیر حکومت ہے۔ اب ایک طرف تو ہمارے پاس ایک واضح اور یقینی ثبوت اس امر کا موجود ہے کہ مسلمان باوا نانک صاحب کے سلسلہ میں ضرور شامل ہوئے اور دوسری طرف ہم یہ پاتے ہیں کہ کسی نے انسے پرسش تک نہ کی۔ اور قتل تو کجا انپر ظلم اور تعدی تک بھی روا نہ رکھی۔ پس چونکہ اُس زمانہ کی مسلمان حکومتوں کا عملدرآمد یہ تھا کہ مرتد کو فوراً قتل کر دیا جاوے اس لیئے باوا صاحب کے مریدین میں سے کسی سے بھی ذراسی پرسش تک نہ کیا جانا صاف اور یقینی طور سے بتلاتا ہے کہ حکام باوا نانک کے سلسلہ کو اسلام سے جُدا نہیں سمجھتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ دہلی کے مسلمان بادشاہ ابراہیم لودی نے باوا صاحب کو کچھ عرصہ قید رکھا مگر اس سے یہ نتیجہ نہیں نکل سکتا ہے کہ آپ مسلمان نہ تھے۔ مسلمان بادشاہوں اور مسلمان حکومتوں کی طرف سے بعض وقت بڑے بڑے علماء اسلامی کو تکلیف پہنچتی رہی اور

بہت سے معزز علمائے اسلام نے جنکا نام آج کل دنیا میں عزت کے ساتھ لیا جاتا ہے اپنا وقت قید خانوں میں گذارا۔ اور اس امر کی ہمارے پاس بہت سی مثالیں موجود ہیں جن کا ذکر اسجگہ ضروری نہیں کیونکہ وہ عام طور سے لوگوں کو معلوم ہیں۔ حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی جنکے روضہ کی زیارت کے لیئے پچھلے سال امیر حبیب اللہ خاں صاحب والئی افغانستان تشریف لے گئے تھے انکو جہانگیر نے قید کر دیا تھا۔ اور بہت سے اولیا مجدد اور مصلحین مسلمانان میں گذرے ہیں جن کی اب تمام مسلمان عزت کرتے ہیں اور ادب سے یاد کرتے ہیں۔ انکے زمانے میں انکے ساتھ ایسا ہی یا اس سے بھی بدتر سلوک ہوتا رہا۔ پس باوا نانک صاحب اگر قید کیئے گئے تھے تو انکا قید ہونا اس بات کا ہرگز ثبوت نہیں کہ آپ مسلمان نہ تھے بلکہ یہ امر کہ آپکے مسلمان پیرووں میں سے کسی کو مرتد قرار دیکر سزائے موت نہیں دیگئی اس امر کی ایک صاف گواہی ہے کہ آپ کی تعلیم و تلقین اسلام کے خلاف بالکل نہ تھی۔

اب ایک سوال باقی رہ جاتا ہے کہ ہندو لوگ جو پرانی رسومات کے بالکل دلدادہ ہیں وہ کسطرح ایک مسلمان صوفی کی مریدی میں داخل ہو سکتے تھے گو کیسا ہی تعجب خیز امر کیوں نہ ہو مگر یہ معاملہ ہوتا رہا ہے کہ مسلمان صوفیاء نے ہندوؤں کو بغیر مسلمان کرنیکے اپنے سلسلہ مریدی میں لیا ہے اور اسپر انکو چنداں اعتراض نہیں ہوتا رہا ایسا ہی ہندوؤں نے ہندو رہ کر مسلمان صوفیوں کو اپنا روحانی پیشوا تسلیم کیا ہے۔ اس زمانہ میں بھی بعض ذی وجاہت ہندوؤں نے حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے سلسلہ مریدی میں داخل ہونے کی خواہش کی بشرطیکہ انکو اجازت دیجاوے کہ وہ اپنے ہی مذہب پر رہیں مگر آپ کا سلسلہ چونکہ خالی صوفیاء کی طرز کا نہیں تھا بلکہ نبوت کے رنگ میں تھا اسلیئے آپنے ایسی اجازت نہ دی مگر باوا صاحب کے حالات کے پڑھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انکا خیال تھا کہ اسلام کو لوگوں کی نظر میں قبولیت کے قابل آہستگی سے بنانا چاہیئے۔ اسلیئے آپنے انسے کبھی پورا اسلامی اقرار کروانیکی کوشش نہیں کی۔ بلکہ آپ آہستہ آہستہ تدریجاً انکو اسلام سکھلانا چاہتے تھے اسی غرض سے آپنے اپنے خیالات ایسی زبان میں ظاہر کرنے چاہے جو لوگوں کی نظروں میں بہت ہی کم وحشت اور غیریت رکھتی ہو یعنی پنجابی زبان میں۔ ایک ہندو کے لیئے مسلمان ہو جانا موت کے برابر ہے

کیونکہ تبدیلی مذہب سے تمام تعلقات کو قطع کرنا اور اقربا کو چھوڑنا پڑتا ہے۔ اور انسے قطع تعلق ہو جاتا ہے باوا صاحب اس امر کے آسان کرنے کی فکر میں لگے ہیں اسی لیئے آپنے کام کو آہستگی سے اور تدریجاً شروع کیا۔

دوسرا سوال یہ اُٹھتا ہے کہ کسطرح ہندوؤں کے خیالات اس قوم پر غالب آگئے اور کسطرح انہوں نے مسلمانی رنگ ڈھنگ کو بالکل ضائع کر دیا۔ آپکی زندگی میں مسلمان مریدین کی تعداد خواہ کتنی ہی کیوں نہ ہو مگر اس بات کے ماننے کیلیئے کافی دلائل موجود ہیں کہ آپکی وفات سے مسلمانوں کا اس جماعت میں داخل ہونا بالکل بند ہو گیا۔ سکھوں کی تاریخ سے اس بات کا کوئی پتہ نہیں چلتا کہ باوا صاحب کی وفات کے بعد کوئی مسلمان اس سلسلہ میں داخل ہوا ہو اور یہ ہونا بھی چاہیئے تھا۔ وہ بات جس سے مسلمان باوا صاحب کی طرف کھچے چلے آتے تھے وہ آپ کا ذاتی جذب اور مقناطیسی قوت تھی اور انکو یہ یقین تھا کہ آپ پکے مسلمان ہیں۔ آپکی وفات سکھ مذہب کے لیئے ایک تغیر عظیم پیدا کرنے کا موقعہ تھا۔ اسی وقت سے مسلمانوں کی شمولیت اس سلسلہ میں مفقود ہو گئی اور جب تمام کاروبار اس سلسلہ کا ہندوؤں کے ہاتھوں میں آگیا تو یہ ایک ضروری امر تھا کہ جوں جوں زمانہ گذرتا گیا مسلمانی چال ڈھال اب جاتی رہی۔ اور یہ ایک قدرتی امر تھا کہ جو لوگ ہندوؤں میں سے سکھ مت میں داخل ہوئے وہ اسلام سے اسطرح جدا ہو کر کم و بیش اپنے مذہب کی طرف واپس چلے گئے۔ پولیٹیکل حالات نے جنکا ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں اس رفتار علیحدگی کو اور بھی تیز کر دیا اور سکھ مذہب جو اصل میں اسلام کی ایک شاخ تھا وہ ہندو مذہب کی ایک شاخ سمجھا جانے لگا۔ آپکے مریدین کی جماعت میں سے مسلمانوں کے اسطرح نکل جانیسے نتیجہ یہ ہوا کہ سکھ مذہب میں جو جو اسلامی تعلیمیں تھیں وہ سب بھلا دی گئیں یا گروارجن اور انکے بعد کے متعصب گروؤں نے جان بوجھکر انکو ایک طرف ڈالدیا۔ یہی وجہ ہے کہ ایسی ایسی تعلیمات گرنتھ صاحب میں بہت کم پائی جاتی ہیں کیونکہ اسکا مؤلف گروارجن تھا۔ مگر یہ تعلیمیں بعض ان جنم ساکھیوں میں موجود ہیں جو کہ اس زمانے سے پہلے لکھی جا چکی تھیں۔

ہندوستان میں دہریّت

مذہبی لحاظ سے ہندوستان کو ایک ایسی خصوصیت حاصل ہے جو شائد ہی دنیا کے کسی دوسرے ملک کو نصیب ہو بڑے بڑے مذہبی اعتقادات اور مذہبی خیالات کا شائد ہی کوئی ایسا پہلو ہو جو ہندوستان میں جاگزین نہ ہو۔ اسی سرزمین میں یہ نظارہ دکھائی دیتا ہے کہ ایک طرف اگر ذات وصفات باری تعالیٰ کے متعلق اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ کے پاکیزہ خیالات اور عقل و فطرت کے مطابق اعتقادات پائے جاتے ہیں تو دوسری طرف پرلے درجہ کے وحشیانہ اور توہم پرستی کے خیالات کا غلبہ ہے۔ ہندوستان گویا ایک مذاہب کا دنگل بن رہا ہے۔ اور یہ خصوصیت جو اس ملک کو دیگئی ہے مصلحت آلٰہی سے خالی نہیں ہو سکتی۔ مگر یہاں ہماری غرض اس مصلحت کا ذکر نہیں۔ اس مذاہب کے دنگل میں جیساکہ ضروری تھا مغربی تعلیم کے ساتھ ساتھ دہریت کے خیالات بھی پھیل گئے ہیں۔ مگر انکا اثر اندر ہی اندر خواہ لوگوں کے اعتقادات پر کیسا ہی ہو بظاہر اسکا غلبہ اس ملک میں ایسا نہیں جیسا یورپ اور امریکہ کے مہذب اور تعلیم یافتہ ممالک میں ہو رہا ہے۔ اس مضمون میں مَیں اس دہریت کا ذکر نہیں کرونگا بلکہ اسجگہ مَیں اپنے ناظرین کے سامنے اُس دہریت کا ایک مختصر سا نقشہ پیش کرنا چاہتا ہوں جو سرزمین ہند میں ہی پیدا ہوئی ہے اور گو باہر سے آئے ہوئے خیالات کا بھی اسپر بہت کچھ اثر پڑا ہو مگر اسکی بڑی خصوصیت اب بھی اسے صاف طور پر ہندو مذہب کا ہی ایک شعبہ بتاتی ہے۔ اس دہریت کے سلسلہ کا نام دیو سماج ہے۔ اور دیو دھرم اس دہریہ مذہب کا نام ہے جسپر اس سلسلہ کے پیرو چلتے ہیں۔

دیو سماج کے بانی پنڈت ستیا نند اگنی ہوتری صاحب ہیں جو ۱۸۵۰ء میں پیدا ہوئے ابتدائی عمر میں انہوں نے انجنیرنگ کا پیشہ اختیار کیا اور کچھ مدت تک گورنمنٹ ہائی سکول لاہور میں ڈرائنگ اور سرویئنگ ماسٹر رہے۔ مگر یہاں سے ۱۸۸۲ء میں استعفا دیا اور پانچ سال بعد دیو سماج کی بنیاد رکھی۔ گو دیو سماج اپنی موجودہ حالت میں کُھلے طور سے

دہریت کے عقائد کی تعلیم دیتا ہے اور نہ صرف اللہ تعالیٰ کی ہستی سے انکار کرتا ہے بلکہ
خدا اور خدا پرستوں اور خدا کے رسولوں کو گالیاں نکالنا اپنا فخر سمجھتا ہے مگر ابتدا
میں جب پنڈت اگنی ہوتری نے اسکی بنیاد رکھی تھی تو یہ دہریت سے کوسوں دور تھا۔
اسوقت اس کے بانی کا یہ دعویٰ تھا کہ وہ خدا کے ساتھ گویا ہمکلام ہوتا ہے۔ اور کہ
اسکی پیروی کر کے ہر ایک شخص اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کر سکتا اور ہمکلام ہو سکتا
ہے۔ چنانچہ مندرجہ ذیل اقتباس پنڈت اگنی ہوتری کی ایک ابتدائی تصنیف
"روحانی زندگی" سے لیا گیا ہے۔ ٭ "پرماتما کے پریمیوں کے لئے بھی بعض دفعہ
اس قسم کا خیال دامنگیر ہوتا ہے وہ کبھی یہ بھی چاہتے ہیں کہ اس تنہائی میں وہ اپنے دل کی
ساری کہانی ان کے سامنے پیش کریں اور انسے جواب چاہیں ہاں وہ ایک ایسی گہری تنہائی
ڈھونڈتے ہیں جس میں وہ بلا تکلف پرماتما سے مل سکیں پرماتما کے ساتھ کچھ دیر ٹھہر کر باتیں
کر سکیں کچھ انہیں کہہ سکیں کچھ انکی سُن سکیں ...... یہ عجیب خلوت کی حالت ہے اس خلوت
میں حواس نہیں۔ نفس نہیں۔ دنیا نہیں۔ پھر کون ہے پرماتما پرمیشر اور انکا جوگی......
اس سمادھی میں جیونت پرش کا جیونت پرش سے میل ہے لیکن نہایت تنہائی
کا میل ہے..... یہاں بات چیت کا مٹھاس بھی لاثانی ہے۔ یہاں وہ بات چیت
ہوتی ہے اور وہ دلی بات ظاہر کیجاتی ہے کہ جو اور کہیں ظاہر نہیں ہوتی۔ اور اس
دل کی کہانی کے کھلنے پر سچے محبوب کی طرف سے بھی ایسی بات کیجاتی ہے کہ جو اس
تنہائی کے لئے مخصوص ہے... اس کی آنکھیں پربھو کے درشن کا مزہ لیتے لیتے
آخر کار تھک کر رہ جاتی ہیں... آخر کار قطعی بے سدھ ہو جاتا ہے ہاں پرماتما اسے پھر

٭ یہ اقتباس اور ایسا ہی ذیل کے چند اقتباس آریہ سماج کے ماہوار رسالہ اندر سے لیئے
گئے ہیں جس میں بڑی کوشش کے ساتھ اس دہریہ دھرم کی اصل حقیقت کھولکر دکھائی
گئی ہے۔ گو اس رسالہ کی زبان ایسی نہیں جسے متین خواندہ آدمی پسند کر سکیں مگر واقعات
کے اظہار کے لحاظ سے اندر کی یہ محنت قابل قدر ہے۔ اور اس میں بھی شک نہیں کہ خود
دیو سماج خدا پرستوں کے متعلق ایسی ہی زبان استعمال کرتا ہے

ہوش میں لاتے ہیں اور اسپر اپنے پیار کا ہاتھ پھیر کر اپنا آشیرباد دے کر اتنی دیر گود میں سلا یا رکھنے کے بعد پھر گود سے اٹھا کر کھڑا کر دیتے ہیں اور منہ چوم کر کہتے ہیں جا کچھ دیر کھیل "۔

ایک طرف بانی دیو سماج کی اس تحریر کو دیکھو اور دوسری طرف آج کل کی کوئی تحریر جیون تت کے کسی نمبر سے لو تو زمین و آسمان کا فرق معلوم ہوتا ہے۔ کہاں خدا کی گود میں لیٹنا اور خدا سے باتیں کرنا اور پربھو کے درشن کے مزے لینا اور کہاں خدا کی ہستی پر ہنسی اور ٹھٹھا اور ہر ایک قدرتی واقعہ سے خدا کی عدم ضرورت کا نتیجہ لگانا۔ کسی ایک انسان کے خیالات میں ایسے تغیرات کا آنا تو کوئی عجیب بات نہیں مگر ایک سلسلہ میں ایسے انقلاب عظیم کا آنا اور پھر اس سلسلہ کا قائم رہنا ایک حیرت انگیز امر ہے۔ اس انقلاب عظیم میں سے دیو سماج اپنے بانی کی زندگی میں ہی ہو گذرا ہے۔ اور اب چند سال سے پنڈت اگنی ہوتری بجائے پربھو کے دیدار کی تعلیم کے پربھو کے انکار کی تعلیم دے رہے ہیں اور ایک عجیب و غریب سلسلہ دہریت کا قائم کیا ہے۔ اس سلسلہ میں ایک طرف تو مغربی مادی تعلیم سے متاثر خیالات کی تعلیم دیجاتی ہے اور دوسری طرف ہندو مذہب کے جاہلانہ توہم پرستی کے عقائد سکھائے جاتے ہیں اور اسطرح پر ......
دیو دھرم میں ایسے عقائد کا اجتماع نظر آتا ہے جسکی نظیر اور کسی مذہب میں نہیں مل سکتی۔ دیو سماج کی دہریت اللہ تعالیٰ کی ہستی سے انکار تک محدود ہے اور روح کی فنا کے وہ قائل نہیں۔ مگر انکی حیات بعد الموت کا مسئلہ ہندوستان کے ان جاہلانہ خیالات پر مبنی ہے جو بھوتوں اور چڑیلوں کے متعلق ابھی تک عوام الناس میں بعض جگہ مروج ہیں۔ ذیل کے اقتباس جو بطور سوال و جواب ہیں دیو سماج کی روح کے بارے میں تعلیم پر روشنی ڈالتے ہیں۔

سوال - کثیف جسم چھوڑنیکے بعد جو آتما لطیف جسم قبول کرنے لائق ہوتے ہیں وہ سب کہاں رہتے ہیں ؟

جواب (دیو دھرمی) - اپنی اپنی نیچ اور اونچ حالت کے مطابق کوئی اس زمین کے ساتھ بندھے

رہتے ہیں اور کوئی پرلوک سے متعلق کسی لوک میں جا کر رہتے ہیں۔

سوال۔ پرلوک کہاں ہے؟

جواب۔ جسطرح پر ہمارے کثیف سورج منڈل کے ساتھ ہماری اس زمین کا تعلق ہے اور یہ زمین اس منڈل کا ایک حصہ ہے اسطرح اس سورج منڈل کے لطیف پرمانوؤں سے جو اور لطیف سورج منڈل بنا ہے اسکے ساتھ ہماری جیسی جس لطیف زمین کا تعلق ہو اسے پرلوک کہتے ہیں۔

سوال۔ اور جو درخت یا حیوان یا انسان یہاں سے مرنے کے بعد پرلوک کے کسی لوک میں بھی پہنچنے اور رہنے کے لائق نہیں ہو سکتے انکا کیا ہوتا ہے؟

جواب۔ وہ لطیف شکل قبول کر کے اس زمین ہی رہ جاتے ہیں اور اس پرتھوی میں یا اسکے آس پاس گھومتے رہتے ہیں انکے اس قسم کے قیام کو ادھم لوک کہتے ہیں۔

سوال۔ بھلا ادھم آتماؤں کو خوراک کسطرح پر ملتی ہے؟

جواب۔ وہ ہم لوگوں کی خوراک اور اس زمین کے پھلوں وغیرہ سے لطیف حصہ نکالکر کھاتے ہیں موقع پاکر دودھ دینے والے حیوانوں اور ماں کا دودھ پی جاتے ہیں اسکے سوائے جو کمزور حیوان مرتے ہیں یا ہم لوگوں کے بھی جو چھوٹے چھوٹے یا کمزور بچے مرتے ہیں اور جنکا کوئی محافظ نہیں ہوتا انہیں بھی چٹ کر جاتے ہیں۔

سوال۔ بچوں وغیرہ کا چٹ کر جانا تو بڑی خوفناک حالت ہے؟

جواب۔ بیشک۔

سوال۔ کیا بھوت چڑیل وغیرہ انہی ادھم آتماؤں کو کہتے ہیں؟

جواب۔ ہاں اور یہ سب مہا نیچ اور جہنمی زندگی بسر کرتے ہیں۔

سوال۔ یہ ادھم آتما کتنے کتنے عرصہ تک اس مہا نرک میں پڑے رہتے ہیں؟

جواب۔ کوئی تھوڑے دنوں تک اور کوئی کئی کئی مہینے یا کئی برس تک اور کوئی سو ڈیڑھ ڈیڑھ سو برس تک زندہ رہ کر اور بہت تکلیف پاکر اور نہایت دکھ اٹھا کر فنا ہو جاتے ہیں۔

سوال ۔ کیا انہیں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں کہ جو اس زمین میں اس یا اس دھرم یا مت کے ماننے والے کہلاتے ہیں ؟

جواب ۔ ہاں اکثر سب ایسے ہی لوگ ہوتے ہیں یعنی لاکھوں وہ جو پہلے عیسائی کہلاتے تھے ۔ لاکھوں وہ جو مسلمان کہلاتے تھے لاکھوں وہ جو ہندو یا سکھ ۔ جینی ۔ کبیر پنتھی ۔ داؤد پنتھی ۔ بیشنو ۔ شو ۔ شاکت ۔ جوگی ۔ بیراگی ۔ سادھو ۔ سنیاسی اور عالم وغیرہ کہلاتے تھے ۔

سوال ۔ کیا بڑے بڑے عالم لوگ بھی نرگ سے نہیں بچتے ؟

جواب ۔ ایک آدمی عالم ہوکر اور زیادہ سمجھدار بنکر اپنی سمجھ کے ذریعہ بے وقوفوں کی بہ نسبت اور بھی بڑھ چڑھ کر اپنی نیچ حالتوں میں اول نمبر ہوتا ہے ۔ اس لیئے بارہا بیوقوفوں کی بہ نسبت بہت بڑھ چڑھکر جنمی زندگی قبول کرتا ہے ۔

سوال ۔ کیا ادھم لوک کی رہنے والی جنمی روحیں اپنی نیچتا کی وجہ سے ہم لوگوں کو بھی کسی طرح کا نقصان پہنچاتی ہیں ؟

جواب ۔ کیوں نہیں ۔ بہت سے بیمار اور کمزور بچوں اور بہت سے زیادہ بیمار لوگوں کی تکلیفوں کو بڑھا دیتی ہیں ۔ مرتے ہوئے جن بچوں کا کوئی خبرگیراں نہ ہو انہیں پکڑ کر کھا جاتی ہیں ۔

یہ اس دہریہ مذہب کے اعتقاد ہیں جو عقل اور سائنس پر مبنی ہونیکا دعویٰ کرتا ہے اور اسکے پیرو بھوتوں اور چڑیلوں پر ایسا اعتقاد رکھتے ہیں جو اس ملکِ ہند کے جاہل سے جاہل طبقوں میں پایا جاتا ہے ۔ وہ نہ صرف بھوتوں اور چڑیلوں کی ہستی کو مانتے ہیں بلکہ ان بھوتوں چڑیلوں کا معمولی دنیا کے کاموں میں پورا دخل سمجھتے ہیں اور انکو نقصان رسانی پر قادر جانتے ہیں ۔ اس سے پہلے بھی جاہل لوگوں نے بھوتوں چڑیلوں کے متعلق بہت سے قصے بنا رکھے ہیں مگر ایسا خیال دیو سماج سے پہلے شائد کسی نے ہی ظاہر کیا ہو کہ بھوت اور چڑیلیں دودھ پلانیوالی ماؤں کا دودھ زبردستی آکر پی جاتے ہیں اور بیمار اور مرتے ہوئے بچوں کو کھا جاتے ہیں ۔ جاہلوں میں ایسی باتوں کا ہونا تو چنداں قابل افسوس نہیں مگر جب ایک علمی زمانے میں خواندہ شخص ایسے گندے اعتقاد

قبول کرتے ہوئے اور پھیلاتے ہوئے دیکھے جاتے ہیں تو اس ملک کی حالت پر واقعی افسوس آتا ہے۔ اور پھر تعجب پر تعجب ہے کہ دعویٰ یہ کیا جاتا ہے کہ دیو دھرم سائینس اور علم پر مبنی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ہستی پر اعتقاد جسے بڑے سے بڑے سائینس دانوں اور فلاسفروں نے قبول کیا اسکو تو توہم پرستی کے نام سے پکارا جاتا ہے اور بھوتوں اور چڑیلوں کے مرتے ہوئے بچوں کو کھاجانے اور دودھ پلانیوالی ماؤں کا دودھ پی جانیکے اعتقاد کو سائینس اور علم پر مبنی کہا جاتا ہے۔ بھوت اور چڑیلیں اس دہریہ دھرم کے نزدیک دنیا کے کاموں میں دخل دے سکتی اور انکو بگاڑ سکتی ہیں مگر خدائے تعالیٰ کوئی دخل نہیں دے سکتا!

اسی تصویر کا دوسرا پہلو بھی قابل غور ہے۔ جسطرح پر دیو سماج کی یہ تعلیم ہے کہ انسانی بیماریاں اور تکالیف بد روحوں اور بھوتوں کے ذریعہ سے آتی یا بڑھ جاتی ہیں اسی طرح انکا یہ بھی اعتقاد ہے کہ دیو گرو یعنی بانیٔ دیو سماج کے ذریعہ سے تکالیف دور ہو سکتی اور بیماریاں اچھی ہو سکتی ہیں۔ چنانچہ دیو سماج کا ایک ممبر اپنے ایک خط میں اپنے گرو کی طاقت کا اظہار کرتا ہوا لکھتا ہے کہ مجھے بخار تھا میں نے آپ کا بھجن گانا شروع کیا تو بخار جاتا رہا۔ اور پھر خود بانیٔ سماج ایک عورت کا ذکر کرتا ہوا لکھتا ہے کہ "ایک عورت مہینوں پاگل رہا کرتی تھی میں نے اسے کہا کہ تم میرا دھیان کرو اور مجھ سے پرارتھنا کرو اس سے اسکو بیماری سے نجات ملی" مگر جیسا کہ ہر ایک ایسے مدعی کا حال ہوا کرتا ہے خود بانیٔ سماج طرح طرح کی امراض میں مبتلا رہتا ہے اور جن امراض سے دوسروں کو نجات دینے کا دعویٰ کرتا ہے انسے اپنے آپ کو نہیں بچا سکتا۔

پس دیو سماج کی دہریت صرف اسی حد تک ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہستی سے انکار کیا گیا ہے ورنہ وہ ایسے ہی باطل پرستی اور توہمات میں مبتلا ہیں جسطرح سے اور بہت سے جاہل لوگ اس ملک میں مبتلا ہیں۔ انکا سارا سائینس اور علم خدا کی ہستی کے انکار پر ختم ہو جاتا ہے اور اس انکار کے بعد وہ ایسے ذلیل اور گرے ہوئے اعتقادات کے پیچھے چلتے پائے جاتے ہیں جنہیں کوئی عقلمند انسان قبول نہیں کر سکتا۔ یہ بات تو قرین قیاس نہ تھی کہ دہریہ ہو کر پھر انسان عبادت میں بھی مشغول ہو کیونکہ عبادت کا مفہوم تو یہ ہے کہ انسان اپنے

سے برتر ایک ہستی کے سامنے اپنی عاجزی کا اظہار کرتا ہے۔ اور اپنے نقصوں اور کمزوریوں کا علاج ایک بے عیب اور کامل ذات سے چاہتا ہے مگر جو شخص کسی ایسی ہستی کا قائل نہیں وہ عبادت کس کی کر سکتا ہے۔ مگر جس قادر مقتدر خدا نے فطرت انسانی کو بنایا ہے اس نے اپنا نقش اس پر ایسا جمایا ہے کہ کوئی چیز اسکو مٹا نہیں سکتی۔ دیو سماج نے اس خدا کی ہستی پر ہنسی کی اور خدا کی عبادت سے انکار کیا تو ایک عاجز ضعیف انسان کی عبادت اسے کرنی پڑی۔ خدا ئے تعالیٰ کا یہ قانون ہے کہ جب انسان ایک اعلیٰ اور ارفع بات کو چھوڑتا ہے تو اسے ایک نہایت ذلیل اور گری ہوئی راہ اختیار کرنی پڑتی ہے۔ ایک بیچگون اور بے عیب ذات کے سامنے تذلل اور عبودیت اختیار کرنا تو انسان کا فخر ہے اور یہی اسکی ترقی کا اصل ذریعہ ہے کیونکہ یہ تذلل اور عبودیت دراصل انسان کو اُس قدوس اور کامل خدا کے قریب لانیکا ذریعہ ہوتی ہے۔ مگر ایک عاجز گرے ہوئے اور ضعیف انسان کے سامنے عبادت میں جھکنا اور اس سے مرادیں مانگنا۔ اس سے جو خود بے علم ہے اپنے علم کا ازدیاد چاہنا اس سے جو خود ناپاکیوں اور گندوں میں پھنسا ہوا ہے پاکیزگی نفس کے لئے استمداد کرنا انسان کو ذلت اور پستی کی طرف لیجانیوالی چیز ہے۔ دیو سماج نے جب اللہ تعالیٰ کی ہستی سے انکار کیا اور اسکی عبادت پر ہنسی کی تو آخر اسے خود ایک اپنے جیسے انسان کی عبادت اختیار کرنی پڑی۔ چنانچہ دیو گرو کی پوجا کا طریق دیو سماج کا ایک ممبر ان الفاظ میں بیان کرتا ہے۔

"(۱) سویرے اُٹھکر اور ایک شیش (خاص) کپڑے پر سر رکھکر آپ کو (یعنی دیو گرو) کو پرنام کرتا ہوں

(۲) آپ کی چھبی (تصویر) کے دوارا چندن سے آپکا ارچن کرتا ہوں۔

(۳) آپکی چھبی (تصویر) کے آگے کھڑا ہو کر بھجن اور دیو ستوتر کا گان کرتا ہوں

(۴) آپ کی وشیشتاؤں میں سے کسی وشیشتا (خصوصیت) کا پاٹھ کرتا ہوں

(۵) آپکے اوپکاروں کو سامنے لاکر انپر وچار کرتا ہوں"

ایک دوسرا مرید اس عبادت کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے۔ "ایک طشتری میں بہت سے

سندر پھول اور چندن رکھا۔ آپ کی چرن دھولی (پاؤں کی مٹی) کو ماتھے پر لگا کر دھن دھن ہوا۔ ایک رومال کے ساتھ جو اس مقصد کے لئے الگ رکھا ہوا ہے آپ کی اتیسنت سندر چھبی (تصویر) کو صاف کیا۔ چھبی کو سجا کر اسکے سنکھ پشپوں کی طشتری رکھی اور پھر ششٹانگ پرنام کیا۔ ان سب کرپاؤں سے جو کچھ مینے اپلبدہ اور لابھ کیا وہ میرے ورنن (بیان) سے باہر ہے۔“

تیسرے کے الفاظ یہ ہیں۔ ”پہلے کر اصاف کیا دھوپ جلائی آپکی چھبی کو ودیدگی استھاپن کرکے پھولوں سے سجایا اور پھر آپ کو پرنام کیا۔“ چوتھا اپنا طریق عبادت یوں بیان کرتا ہے۔ ”پراتہ کال چارپائی سے اٹھنے کے ساتھ بھومی پر سر رکھکر آپ کو پرنام کرتا ہوں... پھر آپ کی چھبی کو سوئچھ (صاف) بستر سے صاف کرتا ہوں پھر ڈنڈوت پرنام کرکے آپ کی مہانتا اور اپنی تچھتا اور اپنے اپرادھی روپ کو سمرن کرتا ہوں کتنے کال ایسی اوستھا میں پڑا رہ کر آپکے مہان روپ کا چنتن اور آپسے سہائے پرارتھنا کرتا رہتا ہوں۔“

یہ ایک دو شخصوں کا بیان نہیں بلکہ دیو سماج کا اخبار اسی قسم کے خطوط سے بھرا پڑا ہے جس میں ہر ایک مرد و زن جو اس سلسلہ میں شامل ہے یہی بیان کرتا ہو کہ وہ دیوگرو کی تصویر کی یوں پرستش کرتا ہے اور اسکی حمد کے گیت گاتا اور اسپر بھینٹ چڑھاتا ہے۔ گویا بانی سماج کی تصویر یا خود بانی سماج دیو سماج کا وہ بت ہے جسکی پرستش کیجاتی ہے۔ ایک بت پرست میں اور ان لوگوں میں کوئی فرق نہیں سوائے اسکے کہ یہاں بت کا قائم مقام دیوگرو اور اسکی تصویر ہے۔ اور بت پرست خدا کی ہستی کا انکار نہیں کرتا مگر دیوگرو کا پرستار اپنے مالک حقیقی کا انکار بھی کرتا ہے اور پھر ایک نا اہل کو اپنا معبود قرار دیتا ہے۔ یہ بھی عجیب دہریت ہے کہ خدائے تعالیٰ کی ہستی کا انکار کرکے وہ مرتبہ ایک عاجز انسان کیلئے تجویز کیا جاتا ہے۔ اور اس انسان سے اسی طرح دعا مانگی جاتی ہے اور اسی طرح اسکا تصور دل میں بٹھایا جاتا ہے جسطرح ایک بت پرست بت سے دعا مانگتا ہے اور اسکا دھیان کرتا ہے۔

اس رنگ میں کہا جا سکتا ہے کہ پنڈت اگنی ہوتری بانی دیو سماج نے ایک ترقی کی ہے کہ وہ ایک مذہبی پیشوا ہونیکے دائرہ سے نکلکر خود خدائی کا دعویدار بن بیٹھا ہے۔ ایک دو ورقہ اشتہار میں جو دیو سماج کی طرف سے شائع کیا گیا ہے یہ بھی دعویٰ کیا گیا ہے کہ دیوگرو کے کام خدائے تعالیٰ کے کاموں سے بہت بڑھکر ہیں اور جہاں انسان کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق ڈھونڈنیکے خیال پر ہنسی کی جاتی ہے ساتھ ہی یہ تعلیم دی جاتی ہے کہ دیوگرو کے ساتھ ایسا تعلق پیدا کرنا چاہیئے اور کہ اس تعلق کے بغیر نجات کی برکت حاصل نہیں ہو سکتی۔ اسطرح پر ابدی نجات کو دیوگرو پر ایمان لانے اور اسکی عبادت کرنے اور اسکی تصویر کی پوجا کرنیکے ساتھ وابستہ کیا گیا ہے دیو سماج کی تعلیم کے مطابق اس دنیا میں دیوگرو کا ظہور ایک نادر واقعہ ہے جسکی نظیر نہ دنیا کی تاریخ میں پہلے کہیں ملتی ہے اور نہ بعد میں ملے گی۔ یعنی یہ مانا جاتا ہے کہ تمام انسانوں سے برتر یہ انسان دنیا میں پیدا ہوا ہے یہ بھی لکھا ہے کہ جس دن دیوگرو پیدا ہوا تھا اس دن سورج اور چاند نے بڑی خوشی منائی اور خوشی کے گیت گائے کہ ہماری وہ امید برآئی جسکی انتظار ہم اپنی ابتدائے زندگی سے کر رہے تھے۔ چنانچہ "شری دیوگرو بھگوان کا لاثانی ظہور" نام رسالہ میں مندرجہ ذیل گفتگو چاند اور سورج کی بیان کیگئی ہے جو دیوگرو کے جنم کے دن ہوئی:۔

"سورج نے دیکھا کہ اس دن یعنی پوش بدی پرتی پدا سمت ۱۹۰۷ بکرمی کو انسانی جماعت میں جس بچے نے جنم لیا ہے وہ بچہ ایک نادر اور نرالا ہے وہ اگرچہ انسانی ماں باپ سے پیدا ہوا ہے مگر وہ بدھی اور بھاشا شکتیوں کے علاوہ جن نئی دھرم شکتیوں کو لیکر ظاہر ہوا ہے انکے لحاظ سے وہ انسانی دنیا سے پیدا ہو کر بھی اسی طرح پر اس سے اوپر کی چیز ہے کہ جسطرح پشو جگت سے پیدا ہو کر انسان اس سے اوپر کی چیز سمجھا گیا ہے.... سورج نے اس انوکھے بچے کے جنم کے لے چکنے پر چاند کی طرف دیکھکر کہا کہ تم نے بھی کچھ دیکھا چاند نے کہا ہاں کچھ تو دیکھا سورج نے کہا کہ تمنے تو اس بچے کو باہر سے ہی دیکھا ہے مگر میں اسکی ان خاص طاقتوں کو بیج روپ میں دیکھتا ہوں کہ جو ایک دن اسکے

بہتر سے بکاش پاکر اسے دیو روپ میں ڈھال اور پہنچا دیں گے .... سورج نے کہا چاند! جبتک انسانی دنیا کے اندر کسی ایسے مہا آتما کا ظہور نہ ہو کہ جو بکاش پاکر ایک طرف جہاں جیون تت کے متعلق نہایت نایاب گیان کی روشنی سے منور اور بھرپور ہو.... اور سب قسم کے غلط عقیدوں اور کلپت متوں اور مختلف قسم کے پاپوں اور دراچاروں سے مکتی حاصل کرے .... ایکتا قائم کرسکتا ہو تب تک میری تمہاری اور اس زمین کی امید پوری نہیں ہوسکتی .... میں ہزاروں برسوں سے ایسے مہا آتما کے ظہور کی راہ دیکھ رہا تھا۔ انسانی دنیا بھی اپنے ہر ایک پہلو کے لحاظ سے ادھار اور کلیان کے لیئے ویسے ہی مہان آتما کی آرزو کررہی تھی.... بکاش کاری شکتیاں انسانی دنیا کے آتماؤں میں ایک ایسی لاثانی آتما کو ظاہر کرنیکے قابل ہوئی تھیں کہ جن کی ہم سب انتظار کررہے تھے۔ چاند! آج کا دن کیسا مبارک دن! چاند آج ہماری ہزاروں برس کی امید پوری ہوئی ہے۔ چاند! آج کا دن کیسا آنند کاری دن۔ چاند! آج تمہاری اور میری موجودگی میں اس مہان اور لاثانی آتما نے اسی پورنانگ دھرم اوتار نے جنم لیا ہے۔ آؤ آج ہم سب پہلے اسکا درشن کرکے پرم سکھی اور کرتارتھ ہوں۔"

اس چاند اور سورج کی فرضی گفتگو سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بانی دیو سماج کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ دوسرے انسانوں پر ایسی ہی فضیلت رکھتا ہے جیسے ایک انسان حیوانوں پر۔ یہ دعویٰ دیو سماج کے ہر ایک ممبر کو تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ اور غالباً اسی لیئے وہ عقل کو ان امور میں دخل دینا ٹھیک نہیں سمجھتے۔ یا شاید اس دعویٰ کا یہ مطلب ہو کہ دیو سماج کے ممبروں کو بانی سماج کے پیچھے اسطرح بلا چون و چرا چلنا چاہیئے جسطرح انسان حیوانوں کو مسخر کرلیتا ہے۔ یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ اسکی تصاویر کی پرستش کرتے اور اسی سے ہر قسم کی مدد چاہتے ہیں۔ دیو سماج میں رومن کیتھولک عیسائیوں کی طرح گناہوں کا اقرار بھی کیا جاتا ہے۔ اور بعض وقت ایسی تحریریں جو فحش کی حد تک پہنچی ہوئی ہوتی ہیں شائع بھی کی جاتی ہیں۔ اور کھلے الفاظ میں اپنی بدکرتوتوں کا ذکر کیا جاتا ہے جو بجائے مفید ہونیکے سخت مخرب اخلاق طرز ہے۔ بہرحال اس سماج کے حالات کو پڑھکر انسان کو

یہ پتہ لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہستی پر ایمان ایک بڑی دولت ہے۔ اور اسکو چھوڑ کر انسان کو کن کن گندوں میں مبتلا ہونا پڑتا ہے۔ اور کیسے ذلیل اور شرمناک عقیدے اختیار کرنے پڑتے ہیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ در اصل انسان کی روح کے اندر اپنے مالک حقیقی کے لئے ایک تڑپ موجود ہے اور ایک اعلیٰ طاقت کے سامنے جھکنا اسکی فطرت میں منقوش ہے مگر جب ایک شخص اس زندہ اور طاقتور خدا کو جو سارے صفات حسنہ سے موصوف ہے چھوڑتا ہے تو اسے فرضی محبوبوں اور فرضی معبودوں کے سامنے جھکنا پڑتا ہے۔ اسطرح پر دیوسماج کی دہریت میں بھی اللہ تعالیٰ کی ہستی کا ایک نشان نظر آجاتا ہے۔

یہ میں نے اوپر لکھا ہے کہ خواہ مغربی دہریت کے خیالات نے بانیٔ دیوسماج کے خیالات کو کتنا ہی متاثر کیا ہو مگر یہ سلسلہ در اصل ہندو مذہب کی ہی ایک شاخ ہے اور اسی مذہب کی ساری خصوصیتیں اپنے اندر رکھتا ہے جو جو تبدیلیاں اس فرقہ میں اسکی پیدائش کی تاریخ سے واقع ہوتی رہی ہیں وہ بھی یہی بتاتی ہیں کہ دیوسماج ہندو مذہب کی ہی فرع ہے۔ اور اس سے کوئی انکار نہیں ہو سکتا کہ ہندو مذہب جو تعلیم اللہ تعالیٰ کے بارے میں دیتا ہے وہ خود ایسی ناقص اور بودی ہے کہ اگر کوئی چیز ہندوؤں سے اور خصوصاً ہندوؤں کے ایسے نئے فرقوں سے جیسے آریہ سماج ہے خدا منواتی ہے تو وہ صرف صدیوں کا جما ہوا اعتقاد ہے۔ ورنہ جن اوصاف کا خدا آریہ سماج پیش کرتا ہے اس قسم کے خدا پر اعتقاد دہریت سے صرف ایک ہی قدم ورے ہے۔ یہ بات آریہ سماج کے اصول مذہبی سے روشن ہے۔ جنکے رو سے اللہ تعالیٰ مادہ یا روح کا خالق نہیں بلکہ مادہ اور روح خدائے تعالیٰ کی طرح ازلی ہیں اور اپنے صفات کے ساتھ اسی طرح ہمیشہ سے خود بخود چلے آتے ہیں جیسے خدا۔ اب اللہ تعالیٰ کی ہستی پر اگر کوئی بڑی سے بڑی عقلی دلیل دیجا سکتی ہے تو وہ تو یہی ہے کہ وہ خالق کائنات ہے مگر جب اسکی خلق سے ہی انکار ہے تو پھر اسکے وجود کی ضرورت کیا باقی رہتی ہے کیونکہ مادہ اور روح کے صفات تو خود بخود ہوئے انہی صفات کے طرح طرح کے میل جول سے الگ الگ مخلوق خود ہی بن سکتی ہے اور خدا تعالیٰ کی حاجت باقی نہیں رہتی۔ پس یہ آریہ مذہب کی تعلیم ہی ہے جس نے دیوسماج کے رنگ میں ایک دہریہ مذہب کو پیدا کیا

ہے۔ اصل اصول دونوں کے ایک ہیں صرف آریہ سماج ان اصول سے وہ نتیجہ نکالنے سے ڈرتی ہے جو دیو سماج نے نکالا ہے۔ اور جو واقعی ان دعاوی کا کہ روح اور مادہ اپنی تمام صفات کے ساتھ خدا کی طرح ہی ازلی اور خود بخود ہیں صحیح نتیجہ ہے۔

گو یہ سچ ہے کہ دیو سماج خدا کی ہستی کے انکار کے ساتھ ہی ویدوں کے مقدس یا منجانب اللہ ہونیکا انکار بھی کرتا ہے۔ مگر بایں خود ہندوؤں نے اس فرقہ کے پیروؤں کو اپنے سے کاٹ کر الگ نہیں کیا۔ یہ ہندو مذہب کے عجائبات میں سے ہے۔ اگر ایک ہندو عیسائی یا مسلمان ہوجاوے تو خواہ وہ اللہ تعالیٰ کی ہستی کا اقرار ہی کرتا ہے اور خواہ وہ ویدوں کی اور ہندوؤں کے بزرگوں کی بھی عزت کرے مگر تاہم اسے ہندو مذہب سے خارج سمجھا جاتا ہے۔ اسکے بعد اسکا کوئی تعلق نہ خویش واقارب سے رہتا ہے اور نہ اپنے آشناؤں اور رفیقوں سے۔ وہ ہندو سوسائٹی سے خارج کردیا جاتا ہے اور ہندو نام اسپر کبھی اطلاق نہیں پاتا لیکن اگر وہی شخص دیو سماجی ہوجاوے اور خدا کی ہستی پر اور خدا کے کلام پر ہنسی اڑاوے اور مقدس پیشوایانِ مذہب کو خواہ وہ ہندو مذہب کے ہی پیشوا ہوں بُرا کہے اور گالیاں نکالے اور خدا کی کتابوں کی خواہ وید ہی ہوں بے حرمتی کرے تاہم ایسے شخص کو ہندوؤں سے الگ نہیں سمجھا جاتا نہ وہ سوسائٹی سے نکالا جاتا ہے اور نہ ہی اسکے قدیمی تعلقات قطع ہوتے ہیں۔ اور اسپر وہی ہندو کا لفظ اطلاق پاتا ہے جو اسکے دوسرے بھائیوں پر جو ویدوں کو مانتے اور خدا کی ہستی کا اقرار کرتے ہیں۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اس فرقہ نے جسقدر ترقی کی ہے وہ ہندوؤں کے اندر ہی کی ہے۔ ان تمام باتوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ دیو سماج ہندو مذہب کا ایک فرقہ اور اسی کی تعلیم کا نتیجہ ہے۔

اس فرقہ کے پورے حالات سے ناظرین کو آگاہ کرنیکے لیئے اسقدر بڑھانا ضروری ہے کہ دیو سماج ایک حد تک مفید تعلیمی کام بھی کررہا ہے۔ اس بات پر ہم کوئی بحث کرنا نہیں چاہتے کہ کسقدر اخلاقی اور روحانی ترقی اس فرقہ کے پیروؤں نے کی ہے کیونکہ ایک طرف تو انکے دعوے ہیں اور دوسری طرف وہ شرمناک خطوط ہیں جو ایڈیٹر اندر نے چھاپکر یہ ظاہر کیا ہے کہ دیو سماج کے بڑے بڑے اراکین نہایت شرمناک سیہ کاریوں میں مبتلا ہونیکے

خود معترف ہیں۔ لیکن اس میں کچھ شک نہیں کہ تعلیم کے پھیلانے میں جو کام دیو سماج نے کیا ہے اور ایسا ہی قحط یا زلزلے کے موقعہ پر جو مدد عام مخلوقِ خدا کی اس فرقہ نے کی ہے وہ ایک مفید کام ہے۔

کفارہ کا جدید ترین ثبوت

امریکہ میں ڈاکٹر کیرل نے علم جراحی میں بعض حیرت انگیز نئے تجربے کر کے انکو دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔ مثلاً ایک تجربہ یہ ہے کہ ایک جاندار کے ایک عضو کو کاٹ کر اسی قسم کے دوسرے جانور کے ساتھ لگا دیا اور اس دوسرے کے اسی عضو کو کاٹکر پہلے کے ساتھ لگا دیا تو دونوں جانور صحیح سلامت رہے۔ ایسا ہی ایک جاندار کی شریان کا کوئی حصہ کاٹ کر اسی قسم کے دوسرے جاندار کی شریان کے ساتھ سی دیا گیا تو دورانِ خون میں کوئی نقص واقع نہیں ہوا۔ ڈاکٹر کیرل نے یہ بھی تجربہ کیا ہے کہ موت کے بعد گردہ یا دل یا ایسے اجزا کو نکالکر اگر زندہ جاندار میں داخل کر دیا جائے تو وہ اپنا فعل شروع کر دیتے ہیں اور یہی تجربہ مردہ کی شریانوں اور عروق کے متعلق بھی کیا گیا ہے بلکہ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ مردہ سے یہ شریانیں اور عروق نکالنے کے ایک مہینہ بعد بھی دوسرے جاندار میں انہوں نے کام دیا ہے۔ ایسے ہی ایک تجربہ کا ذکر ایک عیسائی اخبار نے کر کے اس سے ایک نئی دلیل کفارہ کی صداقت کی نکالی ہے۔ وہ تجربہ یہ تھا کہ ایک پانچ یوم کا بچہ اس وجہ سے کہ خون کی شریانوں سے اندر ہی اندر خون جسم کے ریشوں میں چلا گیا جس سے زہر باد پیدا ہو گیا حالت نزع میں تھا کہ اس کے والد نے ڈاکٹر کیرل کو بلا کر اپنا خون بچہ کو دینے کی آمادگی ظاہر کی۔ ڈاکٹر کیرل نے چھ انچ تک اس نوجوان باپ کی شریان کو باہر نکالکر بچے کی ٹانگ کے پیچھے کی شریان سے سی دیا اور گو اس تجربہ کے وقت بچہ قریباً مر ہی چکا تھا مگر شریانوں کے تعلق سے بچہ میں دَورانِ خون پیدا ہو گیا۔ اور وہ بالکل تندرست ہو گیا۔ اس عملی جراحی کے بعد باپ بیٹے کی شریانوں کو الگ کر دیا گیا۔ اس واقعہ کا ذکر کر کے اخبار مذکور لکھتا ہے ”باپ کے

خون سے بچے کا تندرست ہونا اور دوسروں کے زندہ چمڑے کے لگانے سے جلے ہوئے زخم کے اچھا ہو جانے سے ظاہر ہوتا ہے کہ بنی آدم ایک دوسرے کے عضو اور ایک دوسرے کے محتاج اور ایک دوسرے کے فعلوں کے بھلے اور بُرے اثر کے ذمہ وار ہیں۔ ایسے حالات کی روشنی میں جہاں بنی آدم کا باہمی ایسا گہرا تعلق ظاہر ہوتا ہے وہاں انسان کے آدم کے گناہ سے گنہگار ہونے اور مسیح کے بنی آدم کے لئے جان دیکر نجات حاصل کرنے کی تجویز کیسی صاف اور واضح ہو جاتی ہے۔"

یہ منطق اور استدلال واقعی قابل داد ہے۔ اور اسکی صفائی اور وضاحت ایسی ہی کھلی ہوئی ہے جیسے ۱+۱+۱=۱ کی۔ امید ہے کہ آیندہ اس ایک ہی دلیل کی بدولت کفارہ اور تثلیث دونوں ہر قسم کے اعتراضوں سے فارغ ہو جائیں گے۔ لیکن اسقدر بات تشریح کے قابل ہے کہ انسان تو اپنے محدود علم کی وجہ سے ترقی کرتا رہتا ہے۔ ایک زمانہ میں اگر اسے ایک بات کا علم نہیں تو دوسرے زمانہ میں اسکا علم حاصل کر لیتا ہے۔ مگر کیا خدا کا علم بھی محدود ہے اور وہ بھی انسانی گناہوں کی تشریح کے علم میں تجربے کرتا رہتا ہے۔ یہ کفارۂ مسیح کا مسئلہ جو عیسائی صاحبان کے نزدیک انسان کے گناہوں کا اصل علاج ہے صرف دو ہزار سال سے اسکا وجود دنیا میں آیا۔ اور اس سے پہلے معلوم نہیں کتنے ہزار نبی دنیا میں آئے اور کتنے ہزار سال نسل انسانی پر گذر گئے مگر گناہ کے اس علاج کا خدا کو پتہ نہ لگا اور وہ ہر ملک میں اپنے نبیوں کے ذریعہ گناہ کے لئے توبہ و استغفار کو ہی علاج بتاتا رہا۔ کیا خدا کو بھی اسقدر تجربہ کے بعد ہی یہ پتہ لگا کہ اصل علاج وہ نہ تھا جسے وہ ہزارہا سال سے اپنے نبیوں کے ذریعہ دنیا پر ظاہر کرتا رہا بلکہ وہ اصل علاج کفارۂ مسیح تھا جو پولوس کو معلوم ہو گیا۔ ایسی حالتمیں تو یہ بھی ممکن ہے کہ کسی نئے تجربہ سے یہ علاج بھی غلط ثابت ہو۔

قادیان میں دینی مدرسہ

(احمدی احباب کی خاص توجہ کے قابل)

قادیان میں ایک دینی مدرسہ سنہ ۱۹۰۶ء سے جاری ہے۔ ابتک یہ مدرسہ تعلیم الاسلام ہائی سکول کی ایک شاخ تھی۔ مگر یکم مارچ سنہ ۱۹۰۹ء سے مجلس معتمدین نے اسے ایک الگ مستقل مدرسہ قرار دیکر اسکے لیئے ایک نیا نصاب تجویز کیا ہے قبل اسکے کہ میں اس نصاب کے متعلق کچھ ذکر کروں اُس سارے سلسلۂ تعلیم کے متعلق جسکو ہمارے امام و مقتدا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس سلسلۂ احمدیہ کیلیئے ضروری سمجھا مختصراً چند باتیں پیش کرنی ضروری سمجھتا ہوں۔ تاکہ سب احباب کو معلوم ہو جائے کہ حضرت مسیح موعودؑ انکے بچوں کے لیئے کس کس قسم کی تعلیم کو ضروری سمجھتے تھے کیونکہ دراصل اس ساری تعلیم کی تہ میں سب سے پہلے چھوٹے بچوں کی تعلیم کے لیئے جس مدرسہ کی بنیاد حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سے رکھی وہ تعلیم الاسلام ہائی سکول ہے۔ اس مدرسہ کے لیئے ۱۵ ستمبر ۱۸۹۷ء کو ایک اشتہار حضرت اقدسؑ نے شائع کیا۔ چونکہ یہ اشتہار آجکل ملتا نہیں اسلیئے احباب کی اطلاع کے لیئے میں اسے یہاں درج کرتا ہوں۔

نقل اشتہار

ایک ضروری فرض کی تبلیغ

اگرچہ ہم دن رات اسی کام میں لگے ہوئے ہیں۔ کہ لوگ اُس سچے معبود پر ایمان لاویں جسپر ایمان لانیسے نور ملتا ہے۔ اور نجات حاصل ہوتی ہے۔ لیکن اس مقصد تک پہنچانے کیلیئے۔ علاوہ اُن طریقوں کے جو استعمال کیئے جاتے ہیں ایک اور طریق بھی ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ ایک مدرسہ قائم ہو کر بچوں کی تعلیم میں ایسی کتابیں ضروری طور پر لازمی ٹھہرائی جائیں۔ جنکے پڑھنے سے انکو پتہ لگے کہ اسلام کیا شے ہے۔ اور کیا کیا خوبیاں اپنے اندر رکھتا ہے اور جن لوگوں نے اسلام پر حملے کیئے ہیں۔ وہ حملے کیسے خیانت اور جھوٹ

اور بے ایمانی سے بھرے ہوئے ہیں - اور یہ کتابیں نہایت سہل اور آسان عبارتوں میں تالیف ہوں - اور تین حصوں پر مشتمل ہوں -

پہلا حصہ - ان اعتراضات کے جواب میں ہو - جو عیسائیوں اور آریوں نے اپنی نادانی سے قرآن اور اسلام اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ سلم پر کیے ہیں - اور دوسرا حصہ اسلام کی خوبیوں اور اسکی کامل تعلیم اور اُسکے ثبوت میں ہو - تیسرا حصہ - ان مذاہب باطلہ کے بطلان کے بیان میں ہو جو مخالف اسلام ہیں - اور اعتراضات کا حصہ صرف سوال اور جواب کے طور پر ہو - تا بچے آسانی سے اسکو سمجھ سکیں - اور بعض مقامات میں نظم بھی ہو تا بچے اسکو حفظ کر سکیں ایسی کتابوں کا تالیف کرنا مینے اپنے ذمہ لے لیا ہے جو طرز اور طریق تالیف کا میرے ذہن میں ہے - اور جو غیر مذاہب کی باطل حقیقت اور اسلام کی خوبی اور فضیلت خدا تعالیٰ نے میرے پر ظاہر فرمائی ہے - مَیں یقین رکھتا ہوں - کہ اگر ایسی کتابیں جو خدا تعالیٰ کے فضل سے مَیں تالیف کرونگا بچوں کو پڑھائی گئیں تو اسلام کی خوبی آفتاب کی طرح چمک اُٹھیگی - اور دوسرے مذاہب کے بطلان کا نقشہ - ایسے طور سے دکھایا جائیگا - جس سے انکا باطل ہونا کھل جائیگا -

اے دوستو! یقیناً یاد رکھو!! دنیا میں سچا مذہب جو ہر ایک غلطی سے پاک اور ہر ایک عیب سے منزّہ ہے - صرف اسلام ہے - یہی مذہب ہے جو انسان کو خدا تک پہنچاتا ہے اور خدا کی عظمت دلوں میں بٹھاتا ہے - ایسے مذہب ہرگز خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہیں جنہیں یہ تعلیم دیگئی ہے - کہ اپنے جیسے انسان کو خدا کر کے مان لو یا جنہیں یہ تعلیمیں ہیں کہ وہ ذات جو مبدء ہر ایک فیض ہے - وہ تمام جہان کا خالق نہیں ہے - بلکہ تمام ارواح خود بخود قدیم سے چلے آتے ہیں - گویا خدا کی بادشاہت کی تمام بنیاد ایسی چیزوں پر ہے - جو اسکی قدرت سے پیدا نہیں ہوئیں - بلکہ قدامت میں اسکے شریک اور اُسکے برابر ہیں - سو جس کو علم اور معرفت عطا کی گئی ہے - اُسکا فرض ہے جو ان تمام اہل مذاہب کو قابل رحم تصوّر کر کے سچائی کے دلائل اُنکے سامنے رکھے - اور ضلالت کے گڑھے سے اُنکو نکالے - اور خدا سے بھی دعا کرے - کہ یہ لوگ ان مہلک بیماریوں سے شفا پاویں - اسلئے

میں مناسب دیکھتا ہوں۔ کہ بچوں کی تعلیم کے ذریعہ سے اسلامی روشنی کو ملک میں پھیلاؤں۔ اور جس طریق سے میں اس خدمت کو سرانجام دونگا۔ میرے نزدیک دوسروں سے یہ کام ہرگز نہیں ہو سکے گا۔ ہر ایک مسلمان کا فرض ہے۔ کہ اس طوفان ضلالت میں اسلامی ذریت کو غیر مذاہب کے وساوس سے بچانیکے لئے اس ارادہ میں میری مدد کرے۔ سو میں مناسب دیکھتا ہوں کہ بالفعل قادیان میں ایک مڈل سکول قائم کیا جائے۔ اور علاوہ تعلیم انگریزی کے ایک حصہ تعلیم کا وہ کتابیں رکھی جائیں جو میری طرف سے اس غرض سے تالیف ہونگی۔ کہ مخالفوں کے تمام اعتراضات کا جواب دیکر بچوں کو اسلام کی خوبیاں سکھائی جائیں۔ اور مخالفوں کے عقیدوں کا بے اصل اور باطل ہونا سمجھایا جائے۔ اس طریق سے اسلامی ذریت نہ صرف مخالفوں کے حملوں سے محفوظ رہیگی۔ بلکہ جلد وہ وقت آئیگا کہ حق کے طالب سچ کی روشنی اسلام میں پاکر باپوں اور بیٹوں اور بھائیوں کو اسلام کیلئے چھوڑ دینگے۔ مناسب ہے کہ ہر ایک صاحب توفیق اپنے دائمی چندہ سے اطلاع دیوے۔ کہ اس کارِ خیر کی امداد میں کیا کچھ ماہوار مدد کر سکتا ہے۔ اگر یہ سرمایہ زیادہ ہو جاوے تو کیا تعجب ہے کہ یہ سکول انٹرنس تک ہو جائے۔ واضح رہے۔ کہ اوّل بنیاد چندہ کی اخویم مخدومی مولوی حکیم نورالدین صاحب نے ڈالی ہے۔ کیونکہ انہوں نے وعدہ کیا ہے۔ کہ میں اس سکول کیلئے دس روپیہ ماہواری دونگا۔ اور مرزا خدابخش صاحب اتالیق نواب محمد علیخان صاحب نے دو روپیہ ماہوار اور محمد اکبر صاحب ایک روپیہ ماہوار میر ناصر نواب صاحب نے ایک روپیہ ماہواری اور الہداد صاحب کلرک شاہپور نے ۸ر ماہواری دینا قبول کیا۔

المشتہر مرزا غلام احمدؐ از قادیان۔ ۱۵ ستمبر ۱۸۹۷ء

اس اشتہار کے ساتھ ہی مخلصین کی طرف سے چندہ آنا شروع ہو گیا یہانتک کہ تین چار ماہ بعد ہی یعنی ۱۸۹۸ء کے ابتدا میں ہی پرائمری تک مدرسہ کھل گیا اور تھوڑی دیر بعد ہی مدرسہ مڈل تک اور پھر بموجب منشائے حضرت صاحب ہائی تک ترقی کر گیا۔ اور یونیورسٹی کے امتحان انٹرنس کیلئے اس سے طلباء جانے لگے۔ مگر اسکے ساتھ ہی اخراجات بھی بڑھ گئے اور وقتاً فوقتاً ادائگی اخراجات کے لئے دقتیں پیش آتی رہیں۔ ایک عرصہ تک مدرسہ کا روپیہ حضرت

مولوی نورالدین صاحب کے نام آتا رہا اور آپ ہی اس کمیٹی کے پریذیڈنٹ بھی تھے جسکے سپرد
حضرت صاحب نے مدرسہ کا انتظام شروع میں کیا تھا۔ اسی کمیٹی میں حضرت مولوی عبدالکریم صاحب
مرحوم بھی تھے۔ اور مالی دقتوں کے وقت آپ ہی احباب میں تحریک کیا کرتے تھے چونکہ
آپ کا دل خاص اخلاص اور جوش سے پُر تھا آپ کی تحریک نہایت مؤثر ہوتی تھی اور
مالی تکالیف کے رفع کرنیکے لئے حضرت صاحب کو تکلیف دینے کی ضرورت بہت کم پیش
آتی تھی۔ سنہ ۱۹۰۱ء میں جب خانصاحب محمد علی خاں صاحب قادیان میں اقامت پذیر ہوگئے
تو مدرسہ کا انتظام ۳۔ دسمبر سنہ ۱۹۰۱ء سے حضرت مسیح موعودؑ نے انکے سپرد کردیا اور یہ تحریر
فرمایا کہ "کام انتظام مدرسہ ہماری منشاء اور خواہش اور تحریک کے موافق اخویم نواب
صاحب محمد علیخاں صاحب تجویز فرماویں گے" چنانچہ اسوقت سے سنہ ۱۹۰۴ء تک یہ کام
نواب صاحب کے سپرد رہا۔ اس اثنا میں اخراجات کے بڑھ جانے اور بعض اور وجوہ سے
مدرسہ کو مالی مشکلات کا سامنا زیادہ کرنا پڑا چنانچہ اکتوبر سنہ ۱۹۰۳ء میں نواب صاحب موصوف
نے ان مالی مشکلات کو حضرت اقدسؑ کے سامنے پیش کیا۔ جس سے حضرت اقدسؑ کو بہت رنج
ہوا اور آپنے کتاب تذکرۃ الشہادتین میں جسکی تصنیف میں آپ اسوقت مشغول تھے
ایک اعلان بعنوان "ایک ضروری امر اپنی جماعت کی توجہ کے لئے" شائع کیا جس میں بڑے
پُرزور الفاظ میں اس ہائی سکول کی تائید کے لیئے ساری جماعت کو توجہ دلائی اور لنگرخانہ کے
چندہ کی طرح اس مدرسہ کے چندہ کو ہر ایک احمدی کے لیئے لازمی قرار دیا۔ اور اسی اعلان میں
اس مدرسہ کی ضرورت کی طرف بھی اس سلسلہ کے مخلصین کو توجہ دلائی۔ حضرت اقدسؑ کا
یہ اعلان ان الفاظ میں تھا۔ "اگرچہ میں خوب جانتا ہوں کہ جماعت کے بعض افراد اب تک
اپنی روحانی کمزوری کیحالت میں ہیں یہانتک کہ بعض کو اپنے وعدوں پر ثابت رہنا بھی
مشکل ہے لیکن جب میں اس استقامت اور جانفشانی کو دیکھتا ہوں جو صاحبزادہ
مولوی محمد عبداللطیف سے ظہور میں آئی تو مجھے اپنی جماعت کی نسبت بہت امید بڑھ جاتی
ہے۔ کیونکہ جس خدا نے بعض افراد اس جماعت کو یہ توفیق دی کہ نہ صرف مال بلکہ جان
بھی اس راہ میں قربان کر گئے اس خدا کا صریح یہ منشاء معلوم ہوتا ہے کہ وہ بہت سے ایسے

افراد اس جماعت میں پیدا کرے جو صاحبزادہ مولوی عبداللطیف کی روح رکھتے ہوں ...
...... اب ایک ضروری بات جو اپنی جماعت کے آگے پیش کرنا چاہتا ہوں یہ ہے کہ مَیں دیکھتا ہوں کہ لنگرخانہ کے لیئے بسقدر میری جماعت وقتاً فوقتاً مدد کرتی رہتی ہے وہ قابل تعریف ہے ، .... علاوہ لنگرخانہ اور میگزین کے جو انگریزی اور اُردو میں نکلتا ہے جسکے لیئے اکثر دوستوں نے سرگرمی ظاہر کی ہے ایک مدرسہ بھی قادیان میں کھولا گیا ہے اس سے یہ فائدہ ہے کہ نوعمر بچے ایک طرف تو تعلیم پاتے ہیں ۔ اور دوسری طرف ہمارے سلسلہ کے اصولوں سے واقفیت حاصل کرتے جاتے ہیں ۔ اس طرح پر بہت آسانی سے ایک جماعت طیار ہوجاتی ہے ۔ بلکہ بسا اوقات اُنکے ماں باپ بھی اس سلسلہ میں داخل ہوجاتے ہیں ۔ لیکن ان دنوں میں ہمارا یہ مدرسہ بڑی مشکلات میں پڑا ہوا ہے ۔ اور باوجودیکہ محبی عزیزی اخویم نواب محمد علی خاں صاحب رئیس مالیر کوٹلہ اپنے پاس سے اسی روپیہ ماہوار اس مدرسہ کی مدد کرتے ہیں ۔ مگر پھر بھی اُستادوں کی تنخواہیں ماہ بماہ ادا نہیں ہوسکتیں صدہا روپیہ قرضہ سر پر رہتا ہے علاوہ اسکے مدرسہ کے متعلق کئی عمارتیں ضروری ہیں جو ابتک طیار نہیں ہوسکیں ۔ یہ غم علاوہ اور غموں کے میری جان کو کھا رہا ہے ۔ اسکی بابت مَیں نے بہت سوچا کہ کیا کروں آخر یہ تدبیر میرے خیال میں آئی کہ مَیں اسوقت اپنی جماعت کے مخلصوں کو بڑے زور کے ساتھ اس بات کی طرف توجہ دلاؤں کہ وہ اگر اس بات پر قادر ہوں کہ پوری توجہ سے اس مدرسہ کے لیئے بھی کوئی ماہانہ چندہ مقرر کریں تو چاہیئے کہ ہر ایک اُنمیں سے ایک مستحکم عہد کے ساتھ کچھ نہ کچھ مقرر کرے جسکے لیئے وہ ہرگز تخلف نہ کرے مگر کسی مجبوری سے جو قضاء و قدر سے واقع ہو اور جو صاحب ایسا نہ کرسکیں اُنکے لیئے بالضرورت یہ تجویز سوچی گئی ہے ۔ کہ جو کچھ وہ لنگرخانہ کے لیئے بھیجتے ہیں اس کا چہارم حصہ براہ راست مدرسہ کے لیئے نواب صاحب موصوف کے نام بھیجدیں لنگرخانہ میں شامل کرکے ہرگز نہ بھیجیں ۔ بلکہ علیحدہ منی آرڈر کراکر بھیجیں ۔ اگرچہ لنگرخانہ کا فکر ہر روز مجھے کرنا پڑتا ہے ۔ اور اسکا غم براہ راست میری طرف آتا ہے ۔ اور میری اوقات کو مشوش کرتا ہے ۔ لیکن یہ غم بھی مجھ سے دیکھا نہیں جاتا ۔ اس لیئے مَیں لکھتا ہوں کہ اس سلسلہ کے جوانمرد لوگ جنسے مَیں ہر طرح امید رکھتا ہوں کہ وہ میری اس التماس کو ردی کی طرح

نہ پھینک دیں، پوری توجہ سے اسپر کاربند ہوں۔ مَیں اپنے نفس سے کچھ نہیں کہتا بلکہ وہی کہتا ہوں جو خدا تعالیٰ میرے دل میں ڈالتا ہے۔ مَیں نے خوب سوچا ہے۔ اور بار بار مطالعہ کیا ہے میری دانست میں اگر یہ مدرسہ قادیان کا قائم رہ جائے تو بڑی برکات کا موجب ہوگا اور اسکے ذریعہ سے ایک فوج نئے تعلیم یافتوں کی ہماری طرف آسکتی ہے۔ اگرچہ مَیں یہ بھی جانتا ہوں کہ اکثر طالب علم نہ دین کے لیئے بلکہ دنیا کے لیئے پڑھتے ہیں۔ اور اُنکے والدین کے خیالات بھی اسی حد تک محدود ہوتے ہیں۔ مگر پھر بھی ہر روز کی صحبت میں ضرور اثر ہوتا ہے۔ اگر بیس طالب علموں میں سے ایک بھی ایسا نکلے جسکی طبیعت دینی امور کی طرف راغب ہوجائے۔ اور وہ ہمارے سلسلہ اور ہماری تعلیم پر عمل کرنا شروع کرے۔ تب بھی مَیں خیال کروں گا کہ ہم نے اس مدرسہ کی بُنیاد سے اپنے مقصد کو پالیا"

یہ اشتہار ہائی سکول کے جاری ہونے سے قریباً چھ سال بعد نکلا اور اس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے صاف طور پر تحریر فرما دیا کہ آپنے اس مدرسہ کے چندہ کو جو ساری جماعت کے لیئے ضروری قرار دیا تو یہ محض اپنے خیال سے نہ تھا بلکہ خدائے تعالیٰ نے آپ کے دل میں یہ ڈالا تھا کہ اس مدرسہ کا قیام اس سلسلہ کیلیئے بڑی برکات کا موجب ہوگا۔ اس بات پر حضرت صاحبؑ بڑی مضبوطی سے قائم تھے چنانچہ اس اشتہار کے قریب ایک سال بعد جب پھر جناب نواب صاحب کو اسی قسم کی مالی مشکلات کا سامنا پیش آیا تو انہوں نے لاہور سے حضرت اقدسؑ کی خدمت میں ایک خط لکھا جسکو پڑھکر حضرت اقدسؑ کے دل میں یہ خیال گذرا کہ نواب صاحب اس مدرسہ کو توڑنیکی صلاح دیتے ہیں چنانچہ حضرت صاحبؑ نے اسیوقت حضرت مولوی نورالدین صاحب اور حضرت مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم اور خاکسار راقم کو بلا کر اور اس خط کا ذکر کر کے فرمایا کہ ہمارا منشاء اس مدرسہ کو توڑنیکا کسی صورت میں نہیں اور پورے جوش اور ہمت سے اسکو چلانا چاہیئے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ نواب صاحب تو اب لاہور میں ہیں اور شائد مدرسہ کی مالی مشکلات کی وجہ سے وہ گھبرا بھی گئے ہیں اسلیئے آپ تینوں ہی اس مدرسہ کو چلانے کا انتظام کریں۔ یہ واقعہ ۱۹۰۴ء کا ہے۔ حضرت مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم

نے عرض کیا کہ آپ اسکے لیئے دعا کرتے رہیں اور ہم لوگ کوشش کرینگے۔ اگرچہ جہانتک مجھے یاد ہے اسوقت حضرت اقدسؑ نے کوئی تحریک پھر جماعت میں نہیں فرمائی مگر معلوم ہوتا ہے کہ آپنے بہت جوش سے اس مدرسہ کے لیئے دعائیں کیں کیونکہ اسکی آمد میں بعدازیں ایسی ترقی ہوئی کہ باوجود بڑھے ہوئے اخراجات کے تھوڑے ہی دنوں میں تین چار ہزار روپے کی اراضی بھی باہر مدرسہ کیلیئے خریدلی گئی کیونکہ مدرسہ کیلیئے بہت سی عمارتوں کی ضرورت تھی جیساکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی اپنے اشتہار میں ان الفاظ میں اسکا تذکرہ فرمایا تھا کہ "مدرسہ کے متعلق کئی عمارتیں ضروری ہیں، جو ابتک تیار نہیں ہوسکیں۔ یہ غم علاوہ اور غموں کے میری جان کو کھا رہا ہے۔" مگر اللہ تعالیٰ نے آپکے کسی ارادہ کو پورا کیئے بغیر نہیں چھوڑا اور آپ کی زندگی میں ہی مدرسہ کیلیئے زمین خریدی جاکر اسپر عمارت کی تیاری شروع ہوگئی۔ جسکا ذکر میں آگے چلکر کرونگا۔

اسی اثنا میں بعض ایسے واقعات پیش آگئے جو اس جماعت کیلیئے نہایت غم کا موجب تھے یعنی حضرت مولوی عبدالکریم صاحب اور مولوی برہان الدین صاحب کی وفات واقع ہوئی ......
جس سے علاوہ اور غموں کے یہ غم بھی حضرت اقدسؑ کو پہنچا کہ اس جماعت میں ایسے علماء کی کمی ہوگئی۔ کیونکہ انکی جگہ کوئی اور آدمی ہنوز جماعت میں اس علم و فضل کا پیدا نہیں ہوا تھا۔ تعلیم الاسلام ہائی سکول میں چونکہ انگریزی مروجہ تعلیم کا دیا جانا ضروری تھا اسلیئے وہاں سے ایسے علماء کے نکلنے کی امید نہ ہوسکتی تھی پس آپنے اسوقت ان احباب کو جمع کرکے جو قادیان میں موجود تھے انسے یہ دریافت کیا کہ اس انگریزی مدرسہ سے ایسے علماء جو صرف دین کی خدمت کیلیئے زندگیاں وقف کریں نہیں نکلے اور نہ نکل سکتے ہیں تو پس کیا صورت ہونی چاہیئے کہ اس جماعت میں ایسے علماء پیدا کیئے جاویں جو ان لوگوں کے قائم مقام ہوں جو عالم جاودانی کی طرف انتقال کرتے چلے جاتے ہیں۔ اور فرمایا کہ مدرسہ میں ایسی اصلاح ہونی چاہیئے کہ یہاں سے مولوی اور واعظ پیدا ہوں اور اس بات پر افسوس کیا کہ آریہ سماج میں تو وہ لوگ پیدا ہوں جو باطل کے لیئے اپنی زندگیاں وقف کریں مگر ہماری قوم سچے خدا کو پاکر پھر دنیا کی طرف جھک رہی ہے،

اور یہاں کے موجود احباب کو فرمایا کہ سب اپنی اپنی رائے پیش کرو۔ اسپر بعض ہمارے دوستوں نے جنہوں نے ان امور کے متعلق ایسی باریک نظر نہ کی جیسی کرنی چاہیئے تھی یہ بھی رائے دی کہ ہائی سکول کو توڑ دیا جاوے اور اسکی جگہ صرف ایک دینی مدرسہ قائم کیا جاوے۔ مگر حضرت مولوی نورالدین صاحب نے اس رائے کی سخت مخالفت کی کیونکہ آپ اپنی فراست سے اسبات کو جانتے تھے کہ حضرت صاحب کا منشاء موجودہ مدرسہ کا توڑنا نہ تھا بلکہ کوئی ایسی صورت اصلاح پیدا کرنا تھا جس سے واعظ اور علماء جماعت میں تیار ہوں۔ اور آپ یہ بھی دیکھ چکے تھے کہ اس سے پہلے جب جناب نواب صاحب نے اس بات کی طرف اشارہ کیا تھا تو حضرت صاحب نے اسکو بہت ناپسند فرمایا تھا۔ حضرت مولوی سید محمد احسن صاحب نے بھی احباب کو قرآن شریف کی اس آیت کی طرف توجہ دلائی وما کان المؤمنون لینفروا کافۃ فلولا نفر من کل فرقۃ منھم طائفۃ لیتفقھوا فی الدین۔ اور یہ تو ہو نہیں سکتا کہ مسلمان سارے کے سارے نکل کھڑے ہوں تو ایسا کیوں نہ کیا کہ ہر ایک جماعت میں سے چند اشخاص نکل آتے تاکہ دین کا علم سیکھتے اور اس میں سمجھ پیدا کرتے اور اس سے یہ استدلال کیا کہ جس صورت میں خود قرآن شریف فرماتا ہے کہ علم دین سیکھنے کے لیئے ہر جماعت میں سے چند اشخاص کو نکلنا چاہیئے اور سارے کے سارے مسلمان نہیں نکل سکتے۔ تو اس صورت میں موجودہ مدرسہ کیونکر توڑا جاسکتا ہے ہاں اسکے ساتھ علم دین سکھانے کیلیئے ایک علیحدہ مدرسہ قائم ہونا چاہیئے۔ حضرت اقدسؑ نے اس بحث کے آخری فیصلہ کو دسمبر کے جلسہ تک ملتوی کیا تاکہ سب احباب ملکر اسپر غور کریں چنانچہ جلسہ دسمبر میں یہ سوال پیش ہوکر اسکے متعلق آخری فیصلہ کیا گیا۔ اسوقت جو فیصلہ قوم نے کیا اور جسے حضرت اقدسؑ نے پسند فرمایا وہ اگر مجھے یادداشت سے لکھنا پڑتا تو شائد کچھ مشکلات پیش آتیں مگر وہ اس سے پہلے شائع ہوچکا ہے اور گو تمام جماعت اسکو اس سے پہلے پڑھ چکی ہے لیکن چونکہ اسپر عرصہ قریباً تین سال کا گذر گیا ہے۔ اس لیئے میں اس فیصلہ کو ناظرین کی اطلاع کے لیئے پھر یہاں نقل کرتا ہوں۔ یہ فیصلہ اخبار الحکم مورخہ ۲۴۔ جنوری سنہ ۱۹۰۶ء میں صفحہ ۶ پر شائع ہوا ہے۔ اور الحکم پر

ہے۔

"مدرسہ کے متعلق نئی تجاویز"

"سال کے اخیر میں مدرسہ کیحالت خاص طور پر زیر بحث آچکی تھی پہلا سوال یہ درپیش تھا کہ آیا جس صورت میں ہمارے سلسلہ کی اصل غرض اشاعت و تبلیغ اسلام و اظہار دین ہے تو موجودہ مدرسہ کا قیام جس میں مروّجہ تعلیم انٹرنس تک دیجاتی ہے کہاں تک اس سلسلہ کے مقاصد کی تکمیل کا مؤید ہے۔ اور دوسرا سوال یہ تھا کہ آیا اسی مدرسہ کے ذریعہ سلسلہ کی اصل غرض بھی پوری ہوسکتی ہے یا نہیں۔ یعنی یہ کہ یہاں سے ایسے اشخاص نکلیں جو اعلیٰ درجہ کے علوم عربیہ و دینیہ سے واقفیت رکھتے ہوں اور دوسری طرف یورپ کی کوئی سی زبان مثلاً انگریزی یا فرانسیسی یا جرمن وغیرہ جانتے ہوں تاکہ انکے ذریعہ سے تبلیغ اسلام نہ صرف ہندوستان میں رہے بلکہ ہندوستان سے باہر بھی ہوسکے ان دونوں سوالوں پر جماعت احمدیہ قادیان میں خوب بحث ہوچکی تھی مگر اخیر فیصلہ بموجب منشائے حضرت امام علیہ السلام ایام تعطیلات دسمبر تک ملتوی رکھا گیا تھا تاکہ اسوقت جب مختلف احباب مختلف احمدی جماعتوں کے جمع ہوں تو اُن میں بھی ان ہر دو سوالوں کو پیش کرکے انکی رائے لیجاوے اور ان سوالوں کے ہر ایک پہلو پر غور کرنیکے بعد کوئی فیصلہ کیا جاوے۔ چنانچہ یہ امر تین دن برابر جلسہ میں پیش ہوتا رہا۔ اور بہت سے احباب نے اس پر بحث کرنے میں حصہ لیا۔ سوال اوّل کے متعلق یہ امر قرار پایا کہ اگرچہ مروّجہ تعلیم اس سلسلہ کی خاص اور ممتاز اغراض میں سے ایک غرض نہ ہو مگر اس میں شک نہیں کہ اس سلسلہ کے چھوٹے بچّوں کو ایسے طور پر تیار کرنا کہ وہ زمانہ کی طرح طرح کے زہریلے اثروں سے محفوظ اور اصول اسلام پر مضبوط اور قرآن شریف اور مسائل دینیہ سے واقف اور مخالفین کے اعتراضوں کے جواب دینے کے قابل اور باطل اصولوں کی تردید پر قادر ہوں۔ اور پھر ساتھ ہی اسکے عملی زندگی انکی ایک سچے مسلمان کی ہو۔ یہ اس سلسلہ کی ایک خاص غرض ہے کیونکہ یہ بچے جب یہاں سے تعلیم پاکر نکلیں گے۔ تو خواہ وہ واعظ نہ ہوں اور زبان عربی میں کامل مہارت نہ رکھتے ہوں لیکن اسمیں شک نہیں کہ وہ ایسے مسلمان ہونگے جو دوسرے مسلمانوں کیلئے اور غیر مسلمانوں کیلئے نمونہ ہونگے۔ احمدی جماعت کا اور خود انکا وجود ہی دوسروں کیلئے واعظ ہوگا۔ علاوہ ازیں جماعت احمدی کی یہ ایک بڑی اور عظیم الشان ضرورت ہے۔ کہ جس صورت میں یہ سلسلہ دن بدن ترقی کررہا ہے اور خدائے تعالیٰ کا اسکو بڑی بڑی ترقیات دینے کا

وعدہ ہے تو اس صورت میں اس سلسلہ کا اپنا ایک مدرسہ بھی ہونا چاہیئے بلکہ کالج بھی ہونا چاہیئے کیونکہ
جس صورت میں دین کے لیئے ایک جماعت کی ہی ضرورت ہے اور کل کی کل جماعت ایک ہی کام
میں نہیں لگ سکتی۔ تو اس صورت میں اپنے مدرسہ کے نہ ہونیکی حالت میں جماعت مجبور ہو گی کہ اپنے
بچوں کو دوسرے مدرسوں میں بھیجے جیسے مشن کے مدرسے یا سرکاری مدرسے جہاں نہ وہ تعلیم دین
حاصل کر سکتے ہیں اور نہ ہی زہریلی ہواؤں کے اثر سے محفوظ رہ سکتے ہیں اور یہ امر ایک اتنی
عظیم الشان جماعت میں سخت قابل افسوس ہو گا بلکہ اس جماعت کو تو ابھی اس کام کیلیئے
تیار رہنا چاہیئے کہ جیسے جیسے اسکی تعداد میں ترقی ہوتی جائے جابجا مدرسے تعلیم کیلیئے
قائم ہوتے چلے جاویں اور مرکزی مقام میں ایک کالج یا یونیورسٹی ہو۔ پس ساری جماعت میں ایک
مدرسہ کا بھی نہ ہونا ایک ایسا امر ہو گا جو اس جماعت کے لیئے سخت افسوس کا موجب ہو گا۔ لہٰذا
باتفاق رائے جلسہ یہ امر قرار پایا کہ ضروری ہے کہ دارالامان میں ایک مدرسہ سرکاری تعلیم دینے
کیلیئے اور سرکاری قواعد کے موجب چلنے والا ہو۔ مروجہ تعلیم دینے کے ساتھ ساتھ احمدی جماعت کے
بچے یہاں رہ کر سچے احمدی بنکر دکھاویں اور دنیا کے ساتھ دین میں بھی ترقی کریں۔ چنانچہ اسکی
عملی نظیر اسوقت بھی موجود ہیں کہ جو طالب علم یہاں سے انٹرنس پاس کر کے گئے ہیں وہ
وہ اپنی عملی زندگی میں اور اپنی دینی ترقی میں کالجوں میں ایک ایسا نیک نمونہ دکھا رہے ہیں
جو واعظ سے بڑھکر کام دے رہا ہے۔ مگر اس ضرورت کو تسلیم کرنیکے ساتھ ہی منتظمین مدرسہ کے توجہ
دلانے پر کہ باوجودیکہ پانچ سال کے عرصہ میں جماعت چند ہزار سے دو تین لاکھ تک پہنچ گئی ہے۔
مگر تعداد طلباء میں ایسی ترقی نہیں ہوئی جسکی وجہ کسیقدر جماعت کی بے توجہی ہے۔ ان امور کے
پیش کرنے پر کل جماعت نے باتفاق اس ضرورت کو بھی تسلیم کیا کہ کل کی کل احمدی جماعت کا اور
ہر فرد واحد کا جو اپنے آپکو اس جماعت میں سمجھتا ہے یہ فرض ہے کہ وہ اپنے بچوں کو کسی دوسرے
مدرسہ میں تعلیم نہ دیں بلکہ کل کے کل اسی جگہ تعلیم کے لیئے بھیجیں۔ کیونکہ جس صورت میں
ضرورت قیام اس مدرسہ کی یہی ہے کہ احمدی جماعت کا اپنا مدرسہ ہو تو پھر اگر احمدی جماعت کل کی
کل اپنے بچوں کو اسجگہ بھیجنے کے لیئے تیار نہیں تو اصل غرض ہی مفقود ہو جاتی ہے چنانچہ جسقدر
حاضرین اس جلسہ میں موجود تھے۔ اُن سب نے اس ضرورت کو تسلیم کر کے یہ عہد کیا کہ وہ اپنے

بچوں کو اسی مدرسہ میں تعلیم کے لئے بھیجنے کا انتظام کریں گے اور اپنے دوسرے بھائیوں کو بھی ترغیب دیں گے۔ اور مجبور کرینگے کہ وہ اپنے بچوں کو انٹرنس تک تعلیم کیلئے اسی جگہ بھیجیں۔

اب میں ساری جماعت کو متوجہ کرتا ہوں اور ہر ایک شہر کی جماعت میں اسکے اعلیٰ ارکان اور کارکن ممبروں کی خدمت میں خاص طور پر عرض کرتا ہوں کہ جس غرض سے اس مدرسہ کا قیام محض اسلئے ضروری قرار دیا گیا ہے کہ جماعت کے بچے اس جگہ تعلیم حاصل کریں۔ اور اس مدرسہ کو جماعت احمدی کی اہم ضروریات میں سے ایک ضرورت قرار دیا گیا ہے تو اس ضرورت کو اب عملی طور پر تسلیم کرنا چاہیئے زبان سے صرف اتنی بات کہدینے سے کہ اس مدرسہ کا قیام جماعت کے لئے نہایت ضروری ہے کچھ نہیں بنتا اب عمل کا وقت ہے۔ اگر آپ لوگ چاہتے ہیں۔ کہ آپکے بچے سچے مخلص احمدی اور عملی زندگی میں دنیا کیلئے نمونہ بنیں۔ تو انکی عمروں کو ضائع نہ کریں اسوقت آپکے اہم فرائض میں سے جو اولاد کے متعلق ہیں یہ ہے کہ آپ انکی تعلیم اور تربیت کے اس پہلو کو اختیار کریں جس سے وہ آئندہ نسلوں کیلئے ہادی بنیں اگر آپنے ان فرائض کو اسی حد تک محدود سمجھ لیا ہے کہ آپ انسے اسقدر محبت کریں کہ وہ آپ سے جدا نہ ہوں تو آپنے سخت غلطی کھائی ہے۔ ایک قوم جو اسوقت ہمہ تن دنیا میں مصروف اور دنیا پر جھکی ہوئی ہے وہ بھی اپنی اولاد کی تعلیم اور تربیت کو اسقدر مقدم سمجھے ہوئے ہیں کہ ایک ماں کا اپنے چھوٹے سے پیارے بچہ کو تعلیم کی خاطر جدا کرنا کچھ بھی اسکو دشوار معلوم نہیں ہوتا۔ میں پھر کہتا ہوں کہ اولاد سے ایسی محبت کرو جس سے انکی آئندہ زندگی سنور جاوے اور ایسی محبت نہ کرو جو ہمیشہ کے لئے انکو تباہ کرنیوالی ہو۔ یہ تو وہ وقت تھا کہ اگر یہاں دنیوی تعلیم کا کوئی انتظام نہ بھی ہوتا تو بھی آپ لوگ اپنے بچوں کو اسجگہ نہ بھیجتے۔ ان دنوں کو غنیمت سمجھو کہ خدا کا برگزیدہ مسیح ابھی تمھارے اندر ہے۔ وہ تمھارے بچے کیسے خوش قسمت ہوں گے۔ جو آئندہ یہ کہہ سکیں گے کہ ہم نے مسیح کے زیر سایہ رہکر تعلیم پائی ہوئی ہے اور اسکی مجلسوں میں اکثر بیٹھے ہیں اور اُسکی پر حکمت گفتگوؤں کو سنا اور اُس کے کامل نمونہ کو دیکھا ہے۔ دوستو! میں سچ کہتا ہوں اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے صدق دل سے کہتا ہوں کہ یہ وقت پھر ہاتھ نہیں آئیگا۔ پھر اسوقت قادیان میں وہ عجیب انسان موجود ہے جس کے درس قرآن کے سُننے پر آئندہ نسلوں کو فخر ہوگا۔ پس خدا کی ان نعمتوں کی قدر کرو اور سستی اور

کاہلی اور جھوٹی محبتوں سے اپنی اولاد کی عمر کو ضائع مت کرو۔ اگر تم نے اولاد کے بارہ میں یہ فرض ادا کر دیا تو وہ اولاد تمہارے لیئے ابدی خوشی کا موجب ہوگی۔ ورنہ تم نہیں جانتے کہ تمہاری پیچھے تمہاری اولاد کیسی نکلے اور کیا کام کرے اپنی طرف سے کوشش کرو۔ اور پوری سعی کرو کہ تمہاری اولاد نیک بنے نیک صحبت میں رہے پھر دل خدا کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جس طرح پر چاہے انکو چلا دے۔

اخیر میں میں یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ یہ ابتدائے سال ہے اور یہی وقت ہے جو لڑکوں کو یہاں بھیجنا زیادہ مفید ہے تاکہ شروع سال سے انکی تعلیم ہمارے کورس کے موافق ہو اور تاکہ انکی دینی تعلیم کی کمی پورا کرنیکے لیئے کافی وقت ملے۔ نیز صاحب انسپکٹر کا معائنہ مدرسہ بھی ۱۴۔ فروری کو ہے۔ میرا دل چاہتا ہے کہ اسوقت تک احمدی جماعت کے تین چار سو لڑکے یہاں موجود ہوں اس سے جماعت کی عمدہ حالت کا اثر ہر دل پر پڑتا ہے۔

دوسرے سوال کا جواب میں ایک حد تک تو دے آیا ہوں یعنی واعظین اور مبلغین کی ایک جماعت پیدا کرنیکے لیئے یہ مدرسہ کہانتک کام دے سکتا ہے۔ اسکے لیئے یہ تجویز کیگئی ہے کہ پنجم پرائمری تک تو تعلیم مشترک رہے۔ اسکے بعد دو شاخیں مدرسہ کی ہوں ایک مروجہ تعلیم کی شاخ جسکے ساتھ لڑکوں کی برداشت کے موافق عربی اور دینیات کی تعلیم لازم ہوگی اور دوسری دینیات کی شاخ اس دینیات کی شاخ کو ہم بہت ترقی دینا چاہتے ہیں۔ اور اسکے متعلق یہ تجویز ہے کہ یہاں سے ایسے لوگ پیدا ہوں جو علم دینیات کو پورے طور پر حاصل کریں اصول علم کلام سے پورے واقف ہوں اور عربی زبان میں اسقدر مہارت رکھتے ہوں کہ اس زبان میں لیکچر دے سکیں۔ اور مضمون لکھ سکیں پھر اسکے ساتھ دو صورتیں ہوں جو لوگ صرف اس ملک کے لیئے بطور واعظ تیار کیئے جاویں انکو اسقدر عربی اور دینیات کی تعلیم کے ساتھ طب سکھائی جاوے یا بعض اور پیشے اور سنسکرت وغیرہ زبانیں بھی سکھائی جاویں اور جو لوگ بیرونی ممالک کے لیئے تیار کیئے جانے ہوں۔ انکو کوئی ایک یورپ کی زبان جیسے انگریزی یا فرانسیسی یا جرمن وغیرہ یا جو لوگ جاپان کے لیئے تیار کیئے جانے ہوں۔ انکو جاپانی علیٰ ہذا القیاس لیکن ان سب تجویزوں کی تکمیل کیلیئے بہت سا وقت اور روپیہ اور کارکن آدمی درکار ہیں جنکی ہم خدا کے فضل سے یہ امید رکھتے ہیں کہ آہستہ آہستہ ہمیں میسر آجاویں گے۔ اگر جماعت نے اس طرف پوری توجہ کی تو یہ امور چنداں مشکل نہیں ہیں۔ بالفعل کام کو ہم نے شروع کر دیا ہے

یعنی اول جماعت دینیات کی کھولدی ہے۔ اگر خدائے تعالیٰ قوم کے دل ؤمیں ڈالے اور وہ ہمہ تن اس مدرسہ کی اعانت میں مصروف ہو جائیں۔ کیا مالی امداد سے اور کیا بچوں کے بھیجنے سے۔ تو امید کی جاتی ہے کہ ان سب تجاویز کی تکمیل چند ہی سال میں ہو جاوے۔ وماتوفیقنا الّا باللہ"

اس فیصلہ کے بعد قوم نے اپنے وعدہ کو ایسی مضبوطی سے پورا کیا کہ سنہ ۱۹۰۶ء میں بورڈروں کی تعداد یکلخت دوگنی اور سنہ ۱۹۰۷ء میں تگنی ہو کر سوا سو تک پہنچگئی۔ گو اسوقت پھر افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ تعداد بورڈران اس تعداد سے نصف کے قریب رہ گئی ہے اور سنہ ۱۹۰۸ء میں بہت سی کمی ہوگئی ہے۔ میں اپنے احباب کو سنہ ۱۹۰۶ء کے جلسے کا وعدہ یاد دلاتا ہوں اور پھر اس سال کے جلسے میں جو وعدے کیئے گئے تھے انکو بھی یاد دلاتا ہوں جبتک قوم یکزبان ہو کر اس کام کے لیئے تیار نہ ہو گی کہ اپنے بچوں کو جو قادیان بھیجنے کے قابل ہیں دوسری جگہ تعلیم دینا روا نہ رکھیں اسوقت تک اس مدرسہ کے اجرا کی اصل غرض حاصل نہیں ہوتی۔ شاخ دینیات کا افتتاح بھی اُسیوقت یعنی سنہ ۱۹۰۶ء میں ہی ہو گیا۔ اسی سال میں مدرسہ کی نئی عمارت کے لیئے (کیونکہ تعداد طلباء کے بڑھ جانیسے پہلی عمارت بالکل ناکافی ثابت ہوئی) چالیس گھماؤں اراضی بھی گاؤں کے متصل ہی باہر خریدی گئی۔ اور حضرت اقدسؑ نے اسکو ازبس پسند فرما کر یہ خواہش ظاہر فرمائی کہ کیا اچھا ہو کہ ہائی سکول سے کالج بنجاوے۔ چنانچہ آپکے یہ پاک کلمات اخبار الحکم مورخہ ۲۴۔ فروری سنہ ۱۹۰۶ء کے صفحہ ۶ پر عنوان "مدرسہ تعلیم الاسلام کی ضرورت" کے نیچے محفوظ ہیں۔ چنانچہ اس مضمون میں ایڈیٹر صاحب الحکم نے بڑے پُرزور الفاظ میں مدرسہ کی عمارت کے لیئے تحریک کرکے حضرت اقدسؑ کی اس خواہش کی طرف قوم کو توجہ دلائی۔ چونکہ اسوقت بھی عمارت کا بڑا بھاری کام درپیش ہے اس لیئے ان الفاظ کا نقل کرنا خالی از فائدہ نہ ہوگا۔ خریداراضی کا ذکر کرتے ہوئے ایڈیٹر صاحب نے لکھا ہے "اس عمارت پر جو صرف سکول کیلیئے تیار ہو تیس پینتیس ہزار سے کم خرچ نہیں ہوگا بات تو کچھ بھی نہیں صرف ہماری احباب کو ہمت اور حوصلہ سے کام لینا ہے اگر تیس پینتیس آدمی بھی یہ عزم کرلیں کہ وہ ہزار ہزار روپیہ جمع کرکے بھیجدیں گے تو معمولی بات ہے اسوقت قوم کے سر برآوردہ اور معزز اصحاب کو ہمت کر کے قدم بڑھانا چاہیئے وہ اپنی آئندہ نسلوں کے تعلیمی انتظام کا بنیادی پتھر رکھنے کو ہیں۔ جو ذی مقدرت ہیں وہ اس قومی سکول میں اپنے نام سے کمرے تیار کرائیں خود چندہ دیں دوسروں سے دلائیں۔

مَیں تمھیں ایک عجیب بات سناتا ہوں کہ جس روز اس زمین کا بیعانہ دینے کی تجویز کی تو حضرت حکیم الامۃ کے مشورہ سے مَیں اور مخدومی مولوی محمد علی صاحب اعلیٰ حضرت حجۃ اللہ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حضور اس امر کو عرض کرنے اور آپ سے اجازت لینے کے واسطے گئے تو آپ نے جہاں اس اراضی کا خرید لینا پسند فرمایا اور اجازت دی وہاں یہ بھی فرمایا کہ کیوں کالج نہیں بنایا جاتا؟ ہماری جماعت کی تعداد اسوقت بہت بڑھ رہی ہے اگر کوئی شخص ایک لاکھ تک شمار کرے اور ہر شخص سے ایک روپیہ بھی وصول کرے تو ایک لاکھ روپیہ ہو جاتا ہے اور یہ کچھ بات نہیں۔ حضرت اقدسؑ کے اس فقرہ پر غور کرو۔ اور آپکی آرزو کو سوچو آپ چاہتے ہیں کہ کالج بناؤ۔ اور قوم کے افراد سے توقع کرتے ہیں کہ وہ اگر ایک ایک روپیہ بھی جمع کریں تو کالج بنجاوے۔ یہ قوم کا فرض ہے کہ وہ اپنے محبوب و آقا کی خواہش کو پورا کرے۔ ورنہ اسمیں تو کوئی شک نہیں کہ خدا کے مامور کے مُنہ سے آجتک کوئی بات ایسی نہیں نکلی جو پوری نہ ہوئی ہو اور نہ آئندہ کوئی بات ایسی ہو سکتی ہے جو پوری نہ ہو۔ پس کالج تو بنے گا اور ضرور بنے گا لیکن مبارک ہونگے وہ شخص جو خدا کے موعود کے ارادوں میں تکمیل کیلئے سعی کریں گے

مَیں اُمید کرتا ہوں کہ حضرت صاحب کی یہ خواہش جو ہائی سکول کو قائم رکھنے کے فیصلہ کے بعد آپنے ظاہر فرمائی پوری ہو کر رہیگی کہ اپنی جماعت کا ایک کالج ہو۔ کیونکہ ان لوگوں کے مُنہ سے کوئی بات نہیں نکلتی جبتک کہ خدا کا ارادہ اسکے متعلق نہ ہو۔ ہاں عمارت کے متعلق اسقدر عرض کر دینا ضروری ہے کہ بجائے مدرسہ کے پہلے بورڈنگ ہوس کا باہر بنانا ضروری سمجھا گیا ہے۔ اور اس کا تخمینہ بھی قریب چالیس ہزار روپے کے ہے مجلس معتمدین نے قوم کے بوجھ کو ہلکا کرنیکے لیے یہ بھی ارادہ کیا تھا کہ خام عمارت بنوائی جاوے مگر باہر کی زمین کو یک اسقدر ہے کہ خام عمارت ایسے وسیع پیمانے پر ہمیشہ خطرے کیحالت میں رہتی اور اسکی مرمت پر چند سال میں ہی پختہ عمارت کے صرف سے زیادہ روپیہ خرچ ہو جاتا۔ اسلیئے بہت سے غور کے بعد اور مختلف جماعتوں اور ماہرین عمارت کے سامنے اس سوال کو پیش کرنیکے بعد یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ کل عمارت پختہ ہو۔

اس مدرسہ تعلیم الاسلام سے جو طالب علم اب تک نکلے ہیں گو اسمیں شک نہیں کہ انمیں سے بہت سے اپنے دنیا کے کاروبار میں لگ گئے ہیں مگر پھر بھی ایک امتیاز انمیں نظر آتا ہے جو انکے غیروں میں بہت کم پایا جاتا ہے یعنی فرائض اسلامی کی پابندی اور اشاعت اسلام کا جوش۔ ہائی سکول

کی دینی تعلیم کا انتظام خدا کے فضل سے بہت اچھا رہا ہے۔ اور ایڈیٹر صاحب الحکم وقتاً فوقتاً اپنے اخبار میں ایسے واقعات کا ذکر کرتے رہے ہیں۔ ان میں سے ایک واقعہ کا ذکر میں اسوقت بھی ضروری سمجھتا ہوں جو الحکم مورخہ ۳۱۔ مارچ کے صفحہ ۳ پر بزیر عنوان "تعلیم الاسلام سکول کی عظمت" درج ہے یہ واقعہ قادیان کے ہائی سکول کے ایک طالب علم کا جو قادیان سے ہی ایف اے کا امتحان پاس کرکے علیگڈھ کالج میں بی اے کی تعلیم حاصل کرنے گیا تھا۔ کالج میں امتحان دینیات میں اول رہنا اور پورے کے پورے نمبر حاصل کرنا اور اسکے استدلال اور واقفیت پر مدرسین کالج کا خاص طور پر ریمارک کرنا ہے۔ اس واقعہ کا ذکر کرکے ایڈیٹر صاحب الحکم لکھتے ہیں "قوم کو معلوم ہے کہ قادیان سکول کی مذہبی اور دینی تعلیم کی عظمت کا یہ کوئی چھوٹا سا ثبوت نہیں کہ علی گڈھ جیسے کالج میں سب سے اول اپنی جماعت میں اور سب سے اعلیٰ تعریف کے لحاظ سے کل کالج میں اول نمبر رہنے والا ایک قادیانی سکول کا سابق طالب علم ہے جس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ دینی تعلیم کا کہانتک انتظام قادیان سکول میں ہے" دوسری طرف یونیورسٹی کے نتائج خود یہاں کی تعلیم کی عمدگی پر شاہد ہیں پس ایندرین حالات میں نہیں سمجھتا کہ ہماری قوم نے کیوں مدرسہ کی طرف سے پھر سستی اختیار کی ہے۔

مدرسہ تعلیم الاسلام کے فوائد کو میں صرف طلباء تک ہی محدود نہیں سمجھتا بلکہ ایک بڑا بھاری کام جو اس مدرسہ نے کیا ہے وہ اپنی جماعت کے ایک لائق مستعد اور محنتی گروہ کا جو دین کیخدمت اور اشاعت کے لیئے جوش رکھتا ہے یہاں جمع کر دینا ہے یہ ایک بڑا بھاری احسان اس مدرسہ کا جماعت پر ہے اور ہم میں سے جو شخص اس احسان کا اعتراف نہ کرے وہ بڑا نا شکر گذار ہے ہماری دونوں اخباروں کے ایڈیٹروں کو یہی مدرسہ یہاں لانیکا باعث ہوا۔ چنانچہ سب سے پہلے شیخ یعقوب علی صاحب ایڈیٹر الحکم اس مدرسہ کی ملازمت کے تعلق سے یہاں آئے شیخ صاحب کا اخبار پہلے امرتسر میں نکلنا شروع ہوا تھا مگر اسکے اجرا پر ابھی تین ماہ ہی گذرے تھے کہ قادیان میں تعلیم الاسلام سکول پرائمری تک کھل گیا اور ناظم پرائمری کی حیثیت میں شیخ یعقوب علی صاحب کو کمیٹی نے یہاں بلایا گو شیخ صاحب نے بہت تھوڑا عرصہ مدرسہ میں کام کیا کیونکہ اخبار کی ایڈیٹری کا فرض بھی ایک ذمہ واری کا بوجھ تھا۔ مگر اسمیں شک نہیں کہ یہی تعلق اخبار الحکم کو امرتسر سے قادیان منتقل

کرنیکے اسباب میں سے ایک سبب بنگیا۔ ایسا ہی ہمارے مکرم اور صادق دوست مفتی محمد صادق صاحب پہلے بہ تعلق ملازمت مدرسہ ہی یہاں تشریف لائے تھے مولوی شیر علی صاحب بی اے جو اسوقت میگزین میں ایک ایسی مدد دے رہے ہیں جسکے لئے دوسرا آدمی کا ملنا مشکل ہے اس مدرسہ کے ہیڈ ماسٹر ہیں اور اب عنقریب یعنی یکم اپریل تک مخدوم اور مکرم مولوی صدرالدین صاحب بی اے بی ٹی پروفیسر ٹریننگ کالج مدرسہ کے ہیڈ ماسٹر ہو کر آنیوالے ہیں۔ مولوی صاحب موصوف کی قابلیت کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ بڑی کوشش سے ڈائرکٹر صاحب سررشتہ تعلیم سے ہم نے آپکی خدمات کو مستعار لیا ہے اور پرنسپل صاحب ٹریننگ کالج اپنے سٹاف میں ایسے قابل آدمی کو دینے پر راضی نہ تھے۔ ہمارے مدرسہ میں مولوی صاحب انسپکٹر تھے اور موسم گرما کی تعطیلوں میں قریب ایک ماہ کا عرصہ یہاں ٹھہر کر انہوں نے مدرسہ کیحالت میں بہت سی اصلاحیں کیں اور بہت سے مدرسین کو طریقۂ تعلیم سے واقف کیا۔ اب میں اپنے دوستوں کے آگے درد دل سے یہ اپیل کرتا ہوں کہ خواہ مدرسہ کی تعلیمی حالت کیسی ہی ہوتی انکا فرض تھا کہ اپنے بچوں کو تعلیم کیلئے یہاں بھیجتے۔ ساری قوم دسمبر ۱۹۰۶ء کے جلسہ میں مضبوط وعدہ اس بات کا حضرت اقدسؑ کی زندگی میں اور آپکے سامنے دے چکی ہے۔ دوسری قوموں کو دیکھو کہ محض قومیت کے قائم رکھنے کیلئے اپنی انسٹیٹوشنوں کی کیسی قدر کرتی ہیں مگر یہاں باوجود اسقدر فوائد کے بچوں کو بھیجنے کی طرف ہمارے دوست توجہ نہیں کرتے مروّجہ تعلیم کیلئے قابل مدرسین مہیا کرنیکا عمدہ سے عمدہ انتظام جو ہو سکتا تھا انجمن نے کیا ہے اور ایک ایسے قابل آدمی کی خدمات کو اپنے مدرسہ میں لیا ہے جسپر اگر یہ کہا جائے کہ سررشتہ تعلیم کو ناز ہے بالکل بجا ہے ہمارے امتحانوں کے نتائج ہمیشہ اعلیٰ درجہ کے رہے ہیں۔ ورزش جسمانی اور کھیلوں میں بھی دوسرے مدرسوں سے پیچھے یہ مدرسہ نہیں بلکہ امرتسر کے سارے سرکل میں شہرت حاصل کر چکا ہے اور فٹ بال کے میچ میں اس مدرسہ کی ٹیم نے شیلڈ کو حاصل کیا اور باوجود ان سب باتوں کے اسقدر دینی تعلیم بجاتی ہے کہ جسکے لئے کم از کم میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ مروّجہ تعلیم کے ساتھ اسقدر دینی واقفیت کے لڑکے اور کسی مدرسہ سے خواہ اسلامی ہو یا غیر اسلامی ہرگز نہیں نکلتے۔ اور ان سب باتوں کے ساتھ بچوں کی اخلاقی تربیت ہے جسکے لئے میں کہہ سکتا ہوں کہ اس مدرسہ کو ایک خصوصیت

حاصل ہے۔ اور یہانتک اسکا اثر ہے کہ غیر احمدی احباب بھی محض اس دینی تعلیم اور اخلاقی تربیت کی خاطر اپنے بچوں کو یہاں بھیجتے ہیں۔ ابھی سال گذشتہ میں ہی گورداسپور کے ایک معزز سرکاری عہدہ دار اپنے بچے کو یہاں تعلیم کیلئے لائے اور انہوں نے فرمایا کہ جیسی دینی تعلیم علمی اور عملی رنگ میں یہاں دیجاتی ہے اسکی نظیر کسی دوسرے اسلامی مدرسہ میں نہیں ملتی۔ مگر مدرسہ کی ان خوبیوں جو غیروں کے دلوں کو بھی کھینچ رہی ہیں۔ اپنوں کی بے اعتنائی کا وہ حال ہے کہ جسکو دیکھکر بہت ہی رنج پہنچتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی دلوں کا مالک ہے اور اسی کے اختیار میں ہے کہ وہ قلوب میں ایک تحریک کرے کہ ہمارے دوست حضرت اقدسؑ کی اس آرزو کو پورا کرنیکے لیئے تڑپ اُٹھیں کہ آپ احمدیہ قوم کا کالج یہاں بنانا چاہتے تھے مگر یاد رکھو کہ یہ صرف مالی اعانت پر منحصر نہیں وہ تو اپنے وقت پر موقوف ہے ہاں جبتک قوم اپنے سارے کے سارے بچوں کو اسجگہ تعلیم کیلئے نہ بھیجیگی مدرسہ کا قائم رہنا بھی اگر محال نہیں تو مشکل ضرور ہو جائیگا۔ چہ جائیکہ کالج بنے ہاں اس بات کو خوب سوچ لو کہ تم حضرت مسیح موعودؑ کے قائم کردہ سلسلۂ تعلیم کو جو دراصل اسی سلسلہ کی تعلیم کیلئے اور احمدی قوم کے بچوں کو سچے دیندار بنانیکی غرض سے آپنے قائم کیا تھا کہاں تک مضبوط کرنیکی کوشش کر رہے ہو۔ ہاں اگر آپ لوگوں کو اپنے بچے ایسے عزیز ہیں کہ انکی جدائی آپکو گوارا نہیں۔ مگر یہ گوارا ہے کہ وہ دینی تعلیم کو حاصل نہ کریں اور اسلام پر اور اس سلسلہ کی تعلیم پر مضبوط نہ ہوں تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قل ان کان اٰباؤکم وابناؤکم واخوانکم وازواجکم وعشیرتکم واموال اقترفتموھا وتجارۃ تخشون کسادھا ومساکن ترضونھا احب الیکم من اللہ ورسولہ وجھاد فی سبیلہ فتربصوا حتی یاتی اللہ بامرہ۔ مَیں دیکھتا ہوں کہ بعض دوست ہم میں سے فوت ہو گئے جنکا اخلاص اس سلسلہ سے حد درجہ کا تھا مگر چونکہ انہوں نے اپنی اولاد کی تربیت اس سلسلہ میں نہ کی اسلیئے وہ قریباً قریباً سلسلہ سے بے تعلق ہی ہو گئی۔ پس اس بات سے ڈرنا چاہیئے کہ ہم اپنے پیچھے ایسی اولاد چھوڑیں جو اس نعمت سے محروم ہو جسے ہمنے خود بڑی محنتوں سے اور دنیا کی طرف سے مصائب اُٹھا کر حاصل کیا ہے۔ اسی غرض کیلئے یہ مدرسہ قائم کیا گیا تھا۔ آؤ اور سب ملکر اپنے پیارے مسیح کی اغراض کو پورا کرو۔ ورنہ یاد رکھو کہ اگر سستی سے تم نے اسوقت کو گنوا دیا تو تم الزام کے نیچے ہو۔ مکرمی مفتی محمد صادق صاحب کی خدمت میں جو اسوقت دورہ پر ہیں یہ بھی میری

التماس ہے کہ وہ علاوہ اور نیک تحریکوں کے جو کر رہے ہیں تعلیم الاسلام ہائی سکول اور نئے مدرسہ دینیہ کے لئے بھی ضرور تحریک کریں۔

یہ مضمون کسی قدر لمبا ہو گیا۔ مگر ضروری تھا۔ اور دینی مدرسہ کی نئی تجویز کے ساتھ اسکا ذکر اور بھی ضروری تھا۔ کیونکہ جہاں تک میں سمجھتا ہوں ہمارا ہائی سکول بھی ایک دینی مدرسہ ہی ہے گو اس میں بڑا حصہ طلباء کے وقت کا مروّجہ تعلیم میں ہی صرف ہوتا ہے۔ لیکن اگر اللہ تعالیٰ توفیق دے تو یہ سب علوم دین کے خادم ہی ہو سکتے ہیں۔ بلکہ ہمارا ہائی سکول بھی اشاعت اسلام کا کام کر رہا ہے اور کریگا گو یہ اشاعت اور رنگ میں ہے۔ اور اس طرز میں نہیں جسطرح پر ان علماء و فضلاء کے ذریعہ سے ہو سکتی ہے جو ایک اعلیٰ درجہ کے دینی مدرسہ میں تعلیم حاصل کر کے نکلیں۔ اسمیں شک نہیں کہ اکثر بچے جو اس مدرسہ میں تعلیم پائیں گے انکی غرض غالباً دنیاوی ہی ہوگی یعنی اکثر ان میں سے اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے اپنے معاش کی فکر میں ہی لگ جائیں گے مگر جس صورت میں انہیں یہاں تعلیم دیجاتی ہے اور جیسا کہ واقعات بتا رہے ہیں اس دنیوی تعلیم کے ساتھ ساتھ اور اس ظاہری دنیوی غرض کے اندر ہی اندر ایک ایسا بیج دین کا ان میں بویا جاتا ہے جو آخر کار انکی دنیا کو بھی دین ہی بنا دیتا ہے۔ اور یہ بیج اگر اسکی پرورش اچھی ہو اور کافی نشوونما بچوں کے یہاں سے نکلنے تک پالے تو آخر کار ایک بڑا درخت بنکر دنیا کے لئے مفید ہوگا۔ یہی بات ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ خدا نے میرے دل میں ڈالا ہے کہ یہ مدرسہ دنیا کیلئے بڑی برکتوں کا موجب ہوگا۔ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں ان صداقتوں کو پھیلانیوالے اکثر وہی لوگ تھے جو اپنے دنیوی اشغال میں متفرق جگہوں میں پھیلے ہوئے تھے آخر جب صداقت کا بیج انکے اندر بویا گیا تو انکی دنیا ہی دین بن گئی اور جہاں ایک آدمی تھا اسنے اپنی گرد ایک جماعت بنالی۔ پس ہم امید کرتے ہیں کہ اسی طرح جو طلباء یہاں سے نکلیں گے اور اس سلسلہ کی تعلیم میں پکّے ہو کر نکلیں گے وہ اشاعت اسلام کا ایک اہم کام اپنے اپنے رنگ میں کرینگے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی یہی قانون وما کان المؤمنون لینفروا کافۃ میں بیان فرمایا ہے۔ یعنی ایسا نہیں ہو سکتا کہ دنیا کے کاموں کو بالکل چھوڑ کر کل کے کل ہی دین کی تعلیم میں مشغول ہو جائیں۔ پس اس غرض کیلئے تو ہر جماعت میں سے چند اشخاص کافی ہیں۔ باقی سب کو چاہیئے کہ وہ دنیا کے کام بھی کریں اور

ساتھ اسکے دین سے بھی کچھ واقفیت پیدا کریں اور ہر ایک اپنی کوشش کے مطابق لوگوں کو حق کی طرف بُلاوے۔

اب مَیں اس دینی مدرسہ کے متعلق چند باتیں عرض کرنی چاہتا ہوں جو مدرسہ احمدیہ کے نام سے سابقہ شاخ دینیات کی جگہ اور اسی کے سلسلہ میں قائم کیا گیا ہے۔ بڑی بدقسمت وہ قوم ہے جس میں ایسے لوگ نہ ہوں جنہوں نے دین کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کر دیا ہوا اور جو دن رات دین کی تعلیم اور دین کی اشاعت کی فکر میں لگے ہوئے ہوں۔ علماء اور فضلاء کا گم ہو جانا قوم کیلئے ماتم کا دن ہے۔

مدرسہ احمدیہ حضرت اقدسؑ کی خواہش کے مطابق اور آپکی ہی یادگار میں قائم کیا گیا ہے اور ہر ایک احمدی جماعت کا فرض ہے کہ وہ حکم قرآنی لولا نفر من کل فرقۃ منہم طائفۃ کے منشاء کے مطابق چند لوگوں کو منتخب کر کے صرف تعلیم دینی کے حصول کیلئے اسجگہ بھیجیں اور دوسری یہ عرض ہے کہ اس مدرسہ کے اخراجات جو اسوقت قریباً تین سو روپے ماہوار تک ہونگے اور علاوہ ازیں عمارت اور ایک بڑی لائبریری بکار ہے انکا فکر کریں اور چندہ یادگار کے لیئے ہر ایک جماعت کوشش کرے۔ جبتک اسے دوسرے تین چندوں یعنی لنگر۔ مدرسہ اور اشاعت اسلام کی طرح ضروری سمجھکر سب احباب اس چندہ میں شریک ہونگے اس مدرسہ کے چلنے میں بہت سی مشکلات ہونگی۔ مدرسہ دینیہ کا ہفت سالہ نصاب اخبارات میں اور علیحدہ بھی شائع ہوگا اصل اصول اس مدرسہ میں تعلیم کے مندرجہ ذیل رزولیوشن نمبر ۶۱ ء مجلس معتمدین میں ہیں جسکو مَیں باصلہ نقل کرتا ہوں۔

حسب رزولیوشن نمبر ۵ مجلس معتمدین منعقدہ ۳۱۔ جنوری ۱۹۰۹ء مندرجہ ذیل احباب کی ایک سب کمیٹی ۱۳۔ فروری سے ۱۸۔ فروری تک مختلف وقتوں میں مدرسہ عربی کی سکیم وغیرہ کے متعلق غور کرنیکے لیئے ہوتی رہی۔ مولوی شیر علی صاحب۔ سید سرور شاہ صاحب قاضی امیر حسین صاحب ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب صاحبزادہ محمود احمد صاحب۔ سکرٹری مجلس معتمدین اس سب کمیٹی نے مدرسہ عربی کے متعلق ایک مکمل سکیم و رپورٹ مرتب کر کے مجلس معتمدین میں بغرض منظوری پیش کی۔ جو ذیل میں درج کیجاتی ہے۔ اس رپورٹ وغیرہ کے پیش ہونے پر قرار پایا۔ کہ یہ سکیم (مع ترمیمہ

حسب مشورہ حضرت مولوی صاحب اس تبدیلی کے ساتھ منظور ہے۔ کہ جو لڑکے پرائمری پاس (اینگلو ورنیکولر) داخل ہوں انکے لیئے انگریزی لازمی ہوگی۔ اور ہفتہ میں تین گھنٹے انگریزی کے رکھے جاویں۔ رپورٹ سب کمیٹی بھی اسی تغیر کے ساتھ منظور ہے یکم مارچ سے مدرسہ کھولا جاوے اسکے متعلق سکرٹری مناسب انتظام کرکے رپورٹ کرے۔

رپورٹ سب کمیٹی منعقدہ ۱۳۔ فروری ۱۹۰۹ء

(۱) مدرسہ دینیات کے متعلق باہر سے آئی ہوئی مختلف راؤں کا خلاصہ سنایا گیا اور حضرت مولوی محمد احسن صاحب کی رائے متعلق نصاب مدرسہ دینیات جسکا نام احسن النظام لمدارس تعلیم الاسلام ہے سنائی گئی۔ سب کمیٹی کے سب ممبروں نے بالاتفاق ان اصول تعلیم دینی کو تسلیم کیا۔ جسپر حضرت مولوی صاحب کی رائے مبنی ہے اور قرار پایا۔ کہ سکیم یعنی نصاب مدرسہ تیار کرنیکے وقت ان اصول کو مدنظر رکھا جاوے۔

(۲) مختلف آرائے پر غور کرنیکے بعد سب کمیٹی اس نتیجہ پر پہنچی ہے۔ کہ سردست ایک ایسا دینی مدرسہ قائم کیا جاوے جس سے اس ملک کے لیئے مبلغین اور علمائے احمدی کا گروہ پیدا کیا جاوے اسلیئے اس مدرسہ کی غرض کوئی یونیورسٹی کا امتحان پاس کرانا یا غیر ممالک کے لیئے مبلغین پیدا کرنیکی نہ ہوگی اور اسی لیئے اسکے نصاب میں انگریزی تعلیم بھی داخل نہ ہوگی۔

(۳) بعض احباب نے جو ایک تجویز انگریزی عربی کالج بنانیکی پیش کی ہے اس سے یہ کمیٹی بوجوہات ذیل موجودہ حالت میں متفق نہیں۔

(ا) سردست اسقدر سرمایہ صدر انجمن کے پاس نہیں جس سے ایسا کالج قائم ہوسکے۔

(ب) جو اعلیٰ درجہ کے تعلیم یافتہ دین کے خادم بننے کا یا غیر ممالک میں تبلیغ کا شوق رکھتے ہوں وہ بعد تکمیل تعلیم انگریزی مدرسہ دینیہ میں اعلیٰ درجہ کی عربی اور دینیات کی تعلیم حاصل کرسکتے ہیں

(ج) انجمن کے لیئے مقدم یہ امر ہے کہ پہلے ہندوستان جیسے وسیع ملک میں احمدی اسلامی واعظین کا انتظام کرے۔ اور اپنی جماعت میں ایسے علماء پیدا کرے جو آئندہ نسلوں کے لیئے موجب ہدایت ہوں

(د) جو اعلیٰ درجہ کے تعلیم یافتہ غیر ممالک میں تبلیغ کیلیئے نکلیں گے انکے لیئے انجمن کو بعد میں اخراجات بھی بہت زیادہ کرنے پڑیں گے۔ اور جو گروہ مبلغین یا علماء کا اس ملک کے لیئے ہوگا۔ ان کیلیئے

بعد میں انجمن کو خرچ بھی تھوڑا کرنا پڑیگا۔ اور بہت سے کام بھی انسے لیئے جا سکتے ہیں۔

(ﮦ) حالات موجودہ کے نیچے خالص دینی مدرسے کے لیئے بھی قابل سٹاف کا ملنا مشکلات سے ہے۔ اور انگریزی عربی کالج کے لیئے پروفیسروں کا ملنا تو اور بھی مشکل امر ہے۔

(و) مجوزہ مدرسے کے لیئے طلبار کا ملنا کالج کے لیئے طلبار کے ملنے سے آسان ہے۔

نوٹ۔ سب کمیٹی کا یہ منشار نہیں ہے کہ ایسا کالج نہ بنایا جائے۔ بلکہ اسکی رائے میں سردست ایسے مدرسہ دینیات کا بنانا مقدم ہے جسکی تجویز سب کمیٹی نے کی ہے اور بعد میں جسوقت اللہ تعالیٰ اور کشائش کی راہیں کھولدے اور دوسری مشکلات کا بھی انتظام ہوسکے تو اسی مدرسہ کو ترقی دیکر کالج بنایا جاسکتا ہے۔

(۴) مولوی شیر علی صاحب نے تجویز کیا۔ کہ اس مدرسہ کا نام مدرسہ احمدیہ ہو۔ اور سب کمیٹی نے اسے ذیل کے وجوہات پر پسند کیا ہے۔

(الف) اس مدرسہ کی تحریک اولاً حضرت اقدسؑ نے ہی کی تھی۔ (ب) اب یہ مدرسہ آپ ہی کی یادگار میں قائم ہوتا ہے۔ (ج) اسکی غرض احمدیہ علم کلام کو سکھانا اور احمدی مبلغین اور احمدی علمار کا پیدا کرنا ہے

(۵) اس مدرسہ میں گیارہ سال سے کم عمر کا لڑکا داخل نہ کیا جاویگا۔

(۶) معیار قابلیت مروجہ پرائمری کا امتحان ہوگا۔

(۷) جن لڑکوں نے پرائمری کا امتحان پاس نہ کیا ہو۔ انہیں اس مدرسہ میں داخل ہونیکے لیئے ایک داخلہ کا امتحان دینا ہوگا۔

(۸) سکیم یعنی نصاب مدرسہ احمدیہ سات سال کیلیئے تیار کیا گیا ہے۔

(۹) مجوزہ ہفت سالہ نصاب میں دو درجے ہونگے۔ درجہ ادنیٰ کا امتحان پانچویں سال کے بعد اور درجہ اعلیٰ کا امتحان ساتویں سال کے بعد ہوگا۔ اور کوئی طالب علم درجہ ادنیٰ سے درجہ اعلیٰ میں ترقی نہ کر سکیگا۔ جبتک وہ درجہ ادنیٰ کے امتحان کو پاس نہ کرے اور نہ کسی طالب علم کو تکمیل تعلیم کی سند دیجائیگی جبتک وہ اعلیٰ درجہ کا امتحان پاس نہ کرے۔

(۱۰) درجہ اعلیٰ میں کامیاب ہونیکے بعد جن طلبار کو مجلس خصوصیت سے اس قابل سمجھیگی انکی دو سال کی اعلیٰ تعلیم کا انتظام کریگی۔ ان دو سال میں طالب علم کو معقول وظیفہ دیا جاویگا۔

(۱۱) دو سال کی خاص تعلیم میں طرز تعلیم حسب ذیل طریق سے ہو گی۔
اوّل۔ مندرجہ ذیل چھ مضامین میں سے ہر ایک دن ایک خاص مضمون پر طلباء کو ایک گھنٹہ کیلئے لیکچر دیا جاویگا۔ فضائل اسلام۔ مقابلہ مذاہب عالم مخالفین اسلام کے اعتراضوں کا جواب۔ فلسفہ قدیم و جدید۔ استنباط مسائل جمیع مذاہب اسلام۔ ادب و لغت۔
دوئم۔ اس لیکچر کے علاوہ ایک گھنٹہ روزانہ پڑھائی کا ہوگا۔ جس میں حسب ذیل کتب عبور کرائی جاوینگی۔ الجواب الصحیح۔ ردشیعہ منہاج ابن تیمیہ اعلام الموقعین ابن قیم۔ ائمہ ثلاثہ کی تین کتابیں۔ فصوص الحکم۔ احیاء العلوم۔ زرقانی۔ اشباہ و النظائر۔
سوئم۔ چھ مضامین مذکورہ ضمن اول میں سے ایک ایک مضمون پر ہر پندرہ روز میں طالب علم خود ایک مضمون لکھیگا۔ مضمون کا عنوان اس مضمون کا پروفیسر تجویز کریگا۔ یہ مضامین محققانہ ہونگے۔ اور طالب علم بطور خود مطالعہ کتب کرکے ایسے مضامین تیار کریگا۔
چہارم۔ انکے علاوہ ہر ایک مضمون کے پروفیسر کا فرض ہوگا۔ کہ اپنے اپنے مضامین کے متعلق ضروری کتابوں کے مطالعہ کی طلباء کو ہدایت کرے اور حسب ضرورت انکے مطالعہ میں انکو مدد دے۔
(۱۲) جن طالب علموں کو مجلس درجہ خاص کی تعلیم کے قابل سمجھے گی انہیں سے بعض کو بطور واعظ مقرر کرکے باہر بھیجا جائیگا۔ اور بعض کو مولوی فاضل کے امتحان کیلئے تیار کیا جائیگا۔
(۱۳) جو طالب علم بطور واعظ باہر بھیجے جانے ہوں۔ انکے لیئے ضروری ہوگا۔ کہ کم از کم ایک سال شفاخانہ میں عملی طور پر طبابت اور جراحی کا کام سیکھیں اور وہ شفاخانہ میں اس ڈاکٹر کی زیر نگرانی تعلیم اور تجربہ حاصل کریں گے جسکی نگرانی میں شفاخانہ ہو اور علاوہ ازیں انسے وعظ بھی کرایا جاویگا۔ اور مضامین لکھوائے جاویں گے۔
(۱۴) جن طلباء کو مولوی فاضل کے امتحان کیلئے طیار کیا جاویگا۔ انکو ایک سال میں مولوی فاضل کے امتحان کی ایسی کتابیں جو نصاب ہفت سالہ میں شامل نہیں عبور کرائی جاویں گی۔
(۱۵) ان دونوں قسم کے طلباء کو اس سال کی پڑھائی کیلئے وہی وظیفہ دیا جاویگا جو وہ ساتویں سال لیتے رہے ہیں
(۱۶) علاوہ ان امدادی وظائف کے جو مسکین فنڈ سے دینیات کے طلباء کو اسوقت دیئے جاتے ہیں۔ مندرجہ ذیل وظائف خاص مدرسہ احمدیہ کے فنڈ سے اس مدرسہ کے طلباء کو دیئے

جاویں گے۔ جو مقابلہ کے وظائف کہلائیں گے۔ جماعت دوم۔ سوم ایک۔ ایک وظیفہ سات روپے ماہوار کا۔ اور دو دو وظیفے چھ چھ روپے ماہوار کے۔ جماعت چہارم و پنجم ایک ایک وظیفہ آٹھ روپیہ ماہوار کا۔ اور دو دو وظیفے سات سات روپے ماہوار کے۔ جماعت ششم و ہفتم ایک ایک وظیفہ دس روپے ماہوار کا اور دو دو وظیفے آٹھ آٹھ روپے ماہوار کے اور درجہ خاص کی تعلیم میں دو سال کیلئے ہر ایک طالب علم کو پندرہ روپے ماہوار وظیفہ دیا جاویگا۔

(۱۷) مقابلہ کے وظائف جو مدرسہ احمدیہ سے دیئے جاویں گے انکے لیئے حسب ذیل شرائط ہونگی (اوّل) ایسے طالب علم نے درجہ ادنیٰ کی چار جماعتوں میں پچاس فیصدی سے اور درجہ اعلیٰ کی دو جماعتوں میں ساٹھ فیصدی سے کم نمبر سالانہ امتحان میں نہ لیئے ہوں یعنی کل میزان کے لحاظ سے۔ اور ہر ایک مضمون میں پاس ہوا ہو۔ (دوم) اسکے اُستاد اور افسران اسکے چال چلن سے خوش ہوں۔ (سوم) ہر ایک جماعت میں سب سے بڑا وظیفہ اس طالب علم کو دیا جاویگا جو اول رہے۔ اور باقی دو وظیفے انکو جو دوم اور سوم رہیں۔ (چہارم) کوئی طالب علم جسکو ان شرائط سے وظیفہ ملیگا۔ وہ امدادی وظیفہ کا حقدار نہ ہوگا۔ مگر جملہ ان شرائط کا پابند ہوگا۔ جو امدادی وظیفہ کے لیئے معاہدہ میں دے چکا ہے۔

(۱۸) موجودہ طالب علمان مدرسہ دینیات کا خاص امتحان لیکر وہ جس جماعت میں چلنے کے قابل ہوں۔ اس میں داخل کیئے جاویں"

ماہوار رپورٹ صدر انجمن احمدیہ

اس مہینہ کی بڑی کارروائی مدرسہ احمدیہ یعنی نئے دینی مدرسہ کا قائم ہونا ہے جسکا مفصل ذکر دوسری جگہ ہو چکا ہے۔ یہ مدرسہ یکم مارچ سے کھلکر چار جماعتیں اسوقت زیر تعلیم ہیں اور پچیس کے قریب طلباء کی تعداد ہے۔ ہائی سکول میں انٹرنس کے طلباء کے چلے جانیکی وجہ سے تعداد بورڈران میں بہت کمی واقع ہوگئی ہے۔ اگر وہ احباب جنہوں نے جلسہ کے موقعہ پر وعدے فرمائے تھے اور دوسرے احباب توجہ فرماویں تو تعداد طلباء ترقی کر سکتی ہے۔ مدرسہ کے ہیڈ ماسٹری کا چارج اس ماہ کے

اخیر تک امید ہے مولوی صدر الدین صاحب بی اے بی ٹی ہو جائیں گے۔ ایسے لائق ہیڈ ماسٹر کی خدمات کا ملجانا بڑی خوش قسمتی ہے۔ مگر انکی دینی و دنیوی قابلیت سے اس صورت میں فائدہ ہو سکتا ہے کہ سب احمدی اپنے بچوں کو تعلیم کے لیئے قادیان میں بھیجیں۔ انگریزی ترجمہ لکچر ہوتسد کے چھپوانے کے لیئے یہ تجویز سوچی گئی ہے کہ ولائت میں چھپوا کر وہاں کی ایجنسیوں کی معرفت اسکی اشاعت کا انتظام کیا جاوے اور کچھ کاپیاں یہاں بھی منگوالی جاویں۔ سالانہ جلسہ کی رپورٹ قریب الاختتام ہے۔ جس میں جہانتک ہو سکا ہے سب تقریروں اور لکچروں کو جمع کیا گیا ہے۔ اور صدر انجمن احمدیہ کی سالانہ رپورٹ اور جلسہ کے مختصر حالات درج کیئے گئے ہیں قریباً ڈیڑھ سو صفحہ کی کتاب ہو جائیگی اور نہایت ارزاں قیمت یعنی قریباً تین آنے یا اڑھائی آنے پر فروخت ہو گی۔ جو صاحب جسقدر کاپیاں خریدنی چاہیں بک ڈپو میں آرڈر بھیجدیں۔ بڑی بڑی انجمنیں اگر کافی تعداد اکٹھی منگوالیں تو شائد خریداروں کو اور بھی سہولت ہو جائیگی۔ یہ رپورٹ نہایت قیمتی تقریروں کا مجموعہ ہے۔ اور قوم کے حالات کا نقشہ ہے اور ہر ایک ہاتھ میں اسکا ہونا ضروری ہے۔

بھٹہ کا کام جاری ہے۔ پانچ لاکھ سے زیادہ اینٹ پک چکی ہے۔ امید ہے کہ تین ماہ اور میں پندرہ لاکھ اینٹ ہو جائیگی۔ اور اس سے ایک حصہ بورڈنگ ہوس کا مکمل ہو سکیگا۔ مگر روپیہ کی سخت ضرورت ہے۔ ماہ گذشتہ میں بھی تحریک کی گئی تھی مگر افسوس ہے کہ ابتک احباب نے کچھ توجہ نہیں کی۔ اس کام میں تھوڑی سی روک سے بھی بہت سے روپیہ کا نقصان ہو جائیگا۔ صدر انجمن نے ایک ڈیپوٹیشن بھی احباب کی خدمت میں حاضر ہونیکے لیئے تجویز کیا ہے۔ لیکن اگر مختلف انجمنیں خود ہی سعی کر کے رقم مطلوبہ بھجوادیں تو ڈیپوٹیشن کے اخراجات کی تخفیف ہو جاویگی اور وہ احباب جنکے ذمہ یہ کام لگایا گیا ہے اسوقت میں کوئی اور نیک کام کر سکیں گے۔

مکرمی مفتی محمد صادق صاحب اسوقت ہر ایک قسم کی تکلیف اٹھا کر مختلف جماعتوں کے پاس پہنچ رہے ہیں مفتی صاحب کی جسمانی بناوٹ پہلی ہی کمزور ہے۔ مگر میں انکی اس ہمت پر حیران ہوں کہ وہ بدوہ ایسا سفر کر رہے ہیں جو مضبوط سے مضبوط آدمی بھی بمشکل برداشت کر سکتا ہے۔ ہر جگہ جماعت کو وعظ فرماتے ہیں۔ اور جہاں انجمنیں نہیں وہاں انجمنیں بناتے ہیں۔ مفتی صاحب صدر انجمن کے ناظر ہیں اور جہاں انجمنیں ہیں وہاں وہ انکے حساب کتاب کی پڑتال بھی کرینگے۔ جسطرح وہ ہمت سے احباب